An International Literary Urdu Magazine Globally Circulated
लंदन से सबसे अधिक प्रकाशित होने वाला उर्दू अदब का मात्र अंतरराष्ट्रीय मैगजीन।

ماہنامہ

قندیل ادب انٹرنیشنل

لندن

شمارہ:89 ماہ مئی 2020ء

QINDEEL-E-ADUB INTERNATIONAL
80 STRATHDONE DRIVE LONDON SW17 0PW
(M) 0044-7886-304637, 0044-2089449385
www.qindeel-e-adub.co.uk, ranarazzaq52@gmail.com

لندن سے شائع ہونے والا میدانِ ادب کا واحد کثیر الاشاعت بین الاقوامی اردو میگزین

سوال؟ یہ ہے

خالد عرفان

ہماری وجہِ زوال کیا ہے؟ سوال یہ ہے
حرام کیا ہے، حلال کیا ہے؟ سوال یہ ہے
تمہارے تاجوں کے ہیرے موتی تمہیں مبارک
مگر رعایا کا حال کیا ہے؟ سوال یہ ہے
تمہارے اونٹوں پہ میرے شہری نثار لیکن
معاوضے میں ریال کیا ہے؟ سوال یہ ہے
اِدھر اُدھر کی مثال دینے لگا ہے واعظ
نمازیوں کا سوال کیا ہے؟ سوال یہ ہے
بہت سے مصرعہ نویس، غزلیں بنا رہے ہیں
مگر سخن میں کمال کیا ہے؟ سوال یہ ہے
تم اپنے اونچے محل پہ چڑھ کے اذاں نہ دینا
مینارہ حق حلال کیا ہے؟ سوال یہ ہے
جواب یہ ہے، جو لوگ اندر سے ہیں اُچکے
وہ کہہ رہے ہیں ''نکال کیا ہے''؟ سوال یہ ہے
وہ زندگی کی نئی دوائیں بنا رہے ہیں
ارادہِ ذوالجلال کیا ہے؟ سوال یہ ہے

قارئین کو ادارہ کی جانب سے رمضان اور عید الفطر کی مبارک صد مبارک

دُعا ہے اللہ تعالیٰ بنی نوانسان کو کرونا وائرس سے محفوظ رکھے۔ آمین

Earlsfield
Properties
Professional Residential
Property Management
Services
We will manage your
property at 0% commission
Guaranteed
Rent Schemes for 3 & 5 years.
Free Management Services
Guaranteed Vacant Possession.
Get it Right
✔ Member National Landlord Association
✔ Member Deposit Portection Schemes
✔ Member The Property Ombudsman Scheme
✔ Winner of Pakistan Achievement Award 2014
(Excellence Management)
✔ Vastly Experience in Housing Benefits Clients.
1
PLEASE CONTACT: NAVEED SARWAR (MA EUROPEAN REAL ESTATE)
175 Merton Road, London SW18 5EF
Tel: 02082656000 02088770762
Fax: 02088749754
Email: info@earlsfieldproperties.com
Web: www.earlsfieldproperties.com

مجلس ادارت

بانی اراکین

خان بشیر احمد رفیق مرحوم

آدم چغتائی مرحوم

مدیر

رانا عبدالرزاق خان

اراکین ادارتی بورڈ

ڈاکٹر منور احمد کنڈے، رضیہ اسمٰعیل برمنگھم، رند ملک کنیڈا، اسلم ناصر آسٹریلیا، ثقلین مبارک آسٹریلیا، رانا مبارک احمد بحرین، بشیر احمد خان سویڈن، راجہ منیر احمد، ڈاکٹر منصور خوشتر بھارت، منور احمد خورشید۔امجد مرزا امجد، طارق مرزا آسٹریلیا، عبدالقدیر کوکب، بشارت احمد چیمہ۔

التماس

تمام دوستوں سے التماس ہے کہ اپنی شعری و نثری تخلیقات اور ادبی پروگرامز کی رپورٹیں وغیرہ برائے اشاعت بصورت ''اِن پیج اردو'' فائلز مع تصاویر ای میل سے روانہ فرمائیں۔ ''قندیل ادب انٹرنیشنل'' بیسیوں ممالک میں لاکھوں اردو قارئین کے زیر مطالعہ رہتا ہے۔میگزین کے مندرجات پر آپ کے کمنٹ یا مختصر تبصرے ہمیں اپنا محاسبہ کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ مضامین کے ساتھ ضروری حوالہ جات آپ کے مضامین کی افادیت کو بڑھاتے ہیں۔آپ کی بھیجی ہوئی تمام تصاویر وغیرہ ''کاپی رائٹ فری'' ہونی چاہئیں۔

شکریہ E-mail: ranarazzaq52@gmail.com

IMPORTANT ANNOUNCEMENT

"Qindeel-e-Adab International" magazine is a non-commercial and non-profit e-product, as well as on paper, internationally distributed free of cost for the promotion of bi-lingual poetry, fiction, informative multi purpose interesting articles etc in Urdu alphabet in the UK and Europe under the sole ownership of its Chief Editor Abdul Razzaq Khan of the address as stated elsewhere within this magazine for delivery of documents.

The magazine and the contents herein DO NOT relate to a political, religious or a social group whatsoever. The Editor does not necessarily agree with the opinions expressed by the article writers, poets etc..

Although the e-magazine is FREE OF COST to all, yet for ON PAPER copies of the magazine we do expect a reasonable amount of donation to cover the costs of printing, postage and packing for all countries as stated) Chief Editor.

فہرست مضامین

اداریہ	رانا عبدالرزاق خاں	4
آؤ لوگو کہ با خدا انسان بنیں	اے آر راجپوت	5
غزلیات: مبارک صدیقی۔ڈاکٹر نکہت افتخار۔خواجہ عبدالمومن ناروے۔شائق نصیر پوری۔حمزہ حامی۔محمد اسحاق عاجز۔احمد منیب۔ڈاکٹر منور احمد کنڈے۔اخلاد الحسن اخلاد۔ڈاکٹر خالد جاوید جان۔نیرّ صدیقی۔ساجد محمود رانا۔طفیل عامر۔عبداللہ علیم۔ایم زیڈ کنول۔اختر شمار۔عامر یوسف۔طارق تاسی۔مدثر عباس۔پریم ناتھ بسمل۔واجدہ تبسم ناصر۔بشارت احمد بشارت۔احمد۔حافظ محمد مبرور۔خلیل الرحمن قمر۔افتخار راغب۔دوحہ قطر۔شہزادہ قمر الدین مبشر۔پریم ناتھ بسمل۔ایم اے گلشن۔ندیم ملک۔رانا عبد الرزاق خاں۔ڈاکٹر منور احمد کنڈے۔اسحاق ظفر۔عبد الصمد قریشی۔سکینہ مرتضیٰ، مبارک عابد۔مسعود چوہدری۔ثاقب زیروی۔صابر ظفر۔حافظ محمد مبرور۔اطہر حفیظ فراز۔جیم جاذل۔عامر حسنی۔اتباف ابرک۔ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ۔جوش ملیح آبادی۔اقبال شیدائی۔		6 تا 17
منصور خوشتر غزل کی ایک نئی آواز	نصر الدین بلچی پٹنہ	18
لاعلمی ہزار نعمت ہے میڈیا زیادہ خطرناک ہے	جاوید چوہدری	20
فحاشی کا مرکز	ایک جائزہ	22
آل بلوچستان کرونا وائرس اور مفتی پروپیگنڈے	زریاب خان	23
سگِ ساقی فاروقی کی وفات پر مشفق خواجہ کا تعزیت نامہ	بھائی ساقی	24
تانگے والا خیر منگدا	وقار احمد ملک	25
اور امریکہ جنگ جیت گیا	ابن لطیف	26
دلوں کو ہلا دینے والا واقعہ	رجل خوشاب	28
دلچسپ اور سبق آموز واقعہ	ادارہ	29
افسانچے۔خواب سرائے	محمد نعیم یاد جوہر آباد	30
چکر کھاتی چرخی پر	مبشرہ ناز	31
جستہ جستہ	عطاء القادر طاہر	32
لاک ڈاؤن - جذبہ حُب الزوجہ اور قیدِ بامُشقت	احمد شہزاد	35
وہ چند سبق جو ہم نے پچھلے دنوں سیکھے	امجد مرزا امجد	36
اللہ کا عذاب ایمان اور ہمارا فرض	فہیم اختر لندن	37
کتاب سپوت ایشیاء پر تبصرہ	مولانا عطاء المجیب راشد	39
پہلے اپنے دل کا آئینہ صاف کیجئے	رجل خوشاب	40
اردو کے گمشدہ الفاظ	اے آر راجپوت	40
برمنگھم کے پرویز مظفر نئی غزل کے علامتی شاعر	ڈاکٹر منور احمد کنڈے	41

اداریہ

رانا عبدالرزاق خاں

رمضان المبارک کا مہینہ

رحمت ۔ مغفرت اور آگ کے عذاب سے توبہ

کرونہ مہلک وباء سے آج پوری دُنیا کے لوگ متاثر ہیں۔ رمضان المبارک کی رونقوں باجماعت عبادات بجا لانے سے بھی ہم محروم ہو رہے ہیں۔ رمضان ایک بار پھر ہماری زندگی میں آیا، پھر اپنے گناہوں سے توبہ کرنے اور صدقات وخیرات کرنے کا موقع نصیب ہوا ہے۔

صحیح مسلم کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ صحابہ کو بھی شعبان کے مہینہ میں روزہ رکھنے کی ترغیب دلاتے۔ حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم نے شعبان کے اول میں کچھ روزے رکھے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’جب تک افطار کے دن تمام کرلو تو دو دن روزے رکھو۔‘‘ (صحیح مسلم کتاب الصیام باب صوم)

آنحضرت ﷺ رمضان کی آمد کے پیش نظر شعبان میں بکثرت روزے رکھتے تھے۔ لیکن اس بات کا بھی خاص خیال رکھتے کہ ماہ رمضان کی انفرادیت وعظمت قائم رہے۔ بعض روایات کے مطابق شعبان کے نصف آخر میں روزہ نہ رکھنے کی تلقین فرماتے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’جب آدھا شعبان گزر جائے تو پھر روزے نہ رکھو۔‘‘

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منشائے مبارک یہ تھی کہ شعبان کے مہینہ کو رمضان میں داخل ہونے کیلئے روحانی اور اخلاقی تربیت کرتے ہوئے گزارا جائے۔ لیکن رمضان کی آمد سے قبل روزے رکھنے چھوڑ دیے جائیں تاکہ فرحت و بشاشت اور صحتمندی کے ساتھ رمضان میں داخل ہوا جا سکے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے شعبان کی آخری تاریخ کو وعظ فرمایا اور رمضان کی آمد کی خبر دیتے ہوئے آپ نے فرمایا: ’’سنو! سنو! تم پر ایک مہینہ سایہ فگن ہونے والا ہے جو بہت بڑا اور بہت مبارک مہینہ ہے۔ اس میں ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے افضل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے روزے رکھنا فرض فرمایا اور اس کی رات کے قیام کو ثواب ٹھہرایا ہے۔ جو شخص اس مہینہ میں کوئی نفلی نیکی بجالائے گا تو وہ ایسے ہی ہے جیسا کہ عام دنوں میں فرض کا ثواب ہو جو شخص اس مہینہ میں کسی فرض کو ادا کرے گا وہ ایسا ہے جیسے غیر رمضان میں ستر فرائض ادا کرے۔ یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے۔ یہ مہینہ لوگوں کے ساتھ غم خواری کرنے کا ہے۔ اس مہینہ میں مومن کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے۔ جو شخص کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرائے اس کیلئے گناہوں کے معاف ہونے اور آگ سے نجات کا سبب ہوگا اور اسے روزہ دار کے ثواب کے برابر ثواب ہوگا مگر روزہ دار کے ثواب سے کچھ بھی کمی نہیں ہوگی۔

حضرت ابوجعفرؒ بیان کرتے ہیں کہ ایک موقع پر آپ نے جب چاند دیکھا تو لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور دُعا کی: اے اللہ اسے (رمضان کے چاند کو) ہم پر امن ایمان سلامتی اسلام عظیم عافیت کے ساتھ طلوع فرما۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں رمضان المبارک کی برکتوں رحمتوں فضلوں کی عنایات سے بھرپور استفادہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

مودبانہ گزارش:: قارئین سے گزارش ہے کہ دسمبر ۲۰۱۹ء سے تمام قارئین کا ماہانہ چندہ ختم ہوگیا ہے۔ فی کاپی دو پونڈ اور بذریعہ ڈاک اگر ارسال کیا جائے تو تین پونڈ بن جاتے ہیں۔ براہ کرم اس کی ادائیگی ضرور کریں۔ اس کی تیاری کمپوزنگ، ڈیزائننگ، پرنٹنگ پر کافی اخراجات ہوتے ہیں۔ اس لئے مندرجہ ذیل اکاؤنٹ میں رقم ارسال فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔ جزاکم اللہ

HSBC London UK A/C 04726979

Sort Code 400500

رانا عبدالرزاق خان لندن (M) 0044-7886-304637, 02089449385

آؤ لوگو کہ با خدا انسان بنیں

اے آر راجپوت

اے لوگو آج جبکہ انسانیت کو آج ایک مشکل وبا کا سامنا ہے۔ ہم سب کر با خدا انسان بن کر مردانہ وار اس کا مقابلہ کریں۔ اور حکمت ودانائی سے بلاتفریق مذہب و ملت اس کو سمندر میں غرق کر دیں۔ مگر افسوس ہم نے نفسانی خواہشوں کے باعث جہالت اور غربت کا مقابلہ نہ کیا۔ بلکہ اللہ اکبر کی بجائے خود اکبر بننے کے سامان پیدا کئے اور آج انسان اس قدر امیر وطاقتور ہونے کے باوجود اس کرونا کے مقابلے سے لاچار ہے۔ ہم نے بحیثیت قوم کسی نے بھی انسانی ہمدردی، صحت، تعلیم اور بھوک کیلئے کچھ نہیں کیا۔ ہم اپنے انفاس کی تسکین کے لئے سرگرداں ہیں۔ امریکہ اور یورپی ممالک تو اسلام سے دور ہیں مگر اہل اسلام کے ممالک نے کیا رنگ دکھایا۔ جب اسلامی ممالک کے پاس دولت آئی تو ان لوگوں نے غریب کی، عورت کی، دولت کی، انسانیت کی تذلیل میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی۔ فرنگی کی حکمت عملی اپنا کر ابلیسی کاروائیوں میں ملوث ہیں۔ خود سازشی عناصر کے ہاتھوں ایسے ایسے گھناؤنے کھیل کھیل رہے ہیں کہ اسلام بھی شرما گیا ہے۔ مسلم ممالک انتشار کا شکار ہیں۔ یکجہتی اور اتحاد سے کنگال یہ ممالک دجال کے ہاتھوں میں کھلونا بن چکے ہیں۔ فرنگی اقوام کو دوست بنا کر اسلامی ممالک سے دشمنی روا رکھے ہوئے ہیں۔ بے پردگی، شراب نوشی، زنا کاری ان مسلم ممالک کا شعار بن چکی ہے۔ اُسوہ حسنہ سے دور، فرضی اسلام کی تنفیذ نے ساری اُمت کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ اکثر مسلم ممالک دینی تعلیم کی پیروی کرنے سے قاصر نظر آتے ہیں۔ اور فرنگی کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنے نظر آتے ہیں۔ بے عملی اور بے راہ روی کا شکار ہیں۔ اکثر ممالک کی دولت فرنگی ممالک کے بنکوں میں پڑی ہے۔ ساری دنیا کی پالیسی غیر مسلم ممالک کے ہاتھوں میں ہے مسلم ممالک ایجادات سے بہت دور اور فحاشی میں سب سے آگے ہیں۔ اس صدی میں کوئی بھی مسلم لیڈر سامنے نہیں آیا جو اگر آیا بھی تو فرنگی نے مسلم ممالک کے ہاتھوں اس کا قلع قمع کر کے اپنا راستہ صاف کر لیا۔ محسن انسانیت کے فرمان کے مطابق اگر آج بھی کام کیا جائے تو صحت، تعلیم اور غربت کیلئے کام کیا جانا چاہیئے کہ روئے زمین پر کوئی بھی انسان ان سہولتوں سے دور نہ ہو۔ مگر حالت یہ ہے کہ سب ایک دوسرے سے بڑھ کر اسلحے کی دوڑ میں رواں دواں ہیں۔ دولت کے انبار، سونا چاندی کے علاوہ اسلحے کے ذخائر جمع کرنے میں مصروف ہیں۔ باہمی پیار ومحبت سے کوسوں دور یہ ممالک آپس کی مخاصمت میں پیش پیش ہیں۔ علمائے سُو تو علم کی بجائے اپنی شکم پری میں مصروف ہیں۔ یا باہمی تکفیر میں مصروف ہیں۔ باہمی انتشار اور نفاق کو پروان چڑھانے میں شب وروز سرگرداں ہیں۔ سائنسدان درباری بن چکے، اقوام متحدہ چند طاقتوں کے ہاتھوں کھلونا بن چکی ہے۔ اقوام عالم نے اربوں کھربوں خرچ کر کر کے مہلک ہتھیاروں کے انبار لگا لئے ہیں کہ اب ایک آدمی کو درجنوں بار مارا جا سکتا ہے۔ مگر افریقہ میں ہر سال لاکھوں لوگ بغیر کسی علاج سے ملیریا سے ہلاک ہو جاتے ہیں واہ رے انسانیت۔ ایشیا میں غربت کا حال آپ کے سامنے ہے۔ مگر انسان انسانیت سے بالکل فارغ ہے۔ عربوں کے پاس دولت اسقدر ہے کہ ان ممالک کے مقامی افراد کو اسقدر انصاف نہیں ملتا جس قدر یہاں کے ایک شہزادے کو ملتا ہے کیا یہ عدل فاروقی ہے۔ کالے اور گورے، عربی اور عجمی کا فرق زیادہ سے زیادہ ہوتا جا رہا ہے کیا یہی اسلام ہے۔ نہیں ہم اُسوہ حسنہ کو فراموش کر چکے ہیں۔ ہم قران سے دور ہیں۔ اور اسی لئے خدا ہم سے ناراض ہے۔ ان عرب ممالک کو جس نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صدقے دیا گیا ہے اس قوم نے اس نبی کو نہیں مانا اس کے احکام کو نہیں مانا۔ اور سارے جہان میں بے عملی کا یہی منظر ہے۔ ملاوٹ، جھوٹ، رشوت، زنا وشراب نے ہمارے کردار کو بھیانک بنا دیا ہے۔ ہم نہ خدا ایک اور نہ اس کے نبی کے فرمودات کو مانتے ہیں ہم نے خود اپنا دین مادہ پرستی کو بنا لیا ہے۔ یہود ونصاریٰ، ہنود اور دیگر مذاہب ازل سے اسلام کے دشمن ہیں۔ صلیبی جنگوں کی تاریخ پڑھیں۔ اور بنو عباسیہ اور بنو اُمیہ کی تاریخ کو کھنگالیں تو یہ ازلہ دشمنی عیاں ہوتی ہے۔ اب جبکہ ترقی میں یہود ونصاریٰ بہت آگے نکل گئے۔ اور وہ مسلمانوں کو رگید رہے ہیں بلکہ ان کے آقا بن کر ان کو کٹھ پتلی کی طرح چلا رہے ہیں۔ اس وقت اہل اسلام کو ایک پلیٹ فارم پر آ کر اپنی دولت وعلم کو سنبھال کر ان کا مستقبل میں مقابلہ کرنے کی ٹھان لینی چاہیئے۔ یہود ونصاریٰ نے سو سال پہلے خلافت عثمانی کو کس طرح پچھاڑا تھا۔ اور بیسیوں ٹکڑے بنا کر اہل اسلام کے ممالک بنائے بلکہ اہل حجاز کو خلافت کے خلاف اُبھار کر ایک سعودی عرب ملک بنا ڈالا۔ پھر یہود ونصاریٰ کی ریشہ دوانیوں سے ہی ۵۷ ممالک مسلمانوں کے وجود میں آئے۔ اب جہاں بھی کوئی لیڈر سر اُٹھاتا ہے تو یہ یہود ونصاریٰ مل کر اس کو ناکام کرتے ہیں۔ اور مسلمان ان کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی تماشہ بنے ہوئے ہیں۔ ایران وسعودیہ کو اب لڑانے کے چکر میں جدوجہد جاری ہے۔ مسلمان ممالک علم، سائنس، ایمان، عقل وفہم، حقوق اللہ اور حقوق العباد، نیز تقویٰ سے نابلد اپنی شکم پری میں مصروف ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

غزلیات

مبارک صدیقی

کوئی بارش وہ برسا مولا
پھر موسم سارے چمک اٹھیں
پھر لوگ مبارک بادیں دیں
پھر سجدہ گاہیں دمک اُٹھیں
کیا بھول ہوئی انسانوں سے
ہم عرض کریں یہ رو رو کر
اب معاف بھی کر تقصیروں کو
ہم تھکے جنازے ڈھو ڈھو کر
اک بات کھٹکتی ہے سائیں
کچھ لوگ خدا بن بیٹھے تھے
کچھ دشت بگولوں کے ذرے
خود کیا سے کیا بن بیٹھے تھے
اک نادیدہ سے مچھر نے
اوقات کرا دی یاد ہمیں
کیا منظر تھے کیا موسم تھے
ہر بات کرا دی یاد ہمیں
اب تنہائی میں یاد آیا
ہم بھولے تھے اوقات سائیں
پر جانے دے ہم چاکر ہیں
کر پیار کی پھر برسات سائیں
ہم لوگ فقیر ترے در کے
تو مالک ہے ستار بھی ہے
تو پالن ہار ہمارا ہے
تو مرشد بھی غفار بھی ہے
کوئی بارش وہ برسا مولا
پھر موسم سارے چمک اٹھیں
پھر لوگ مبارک بادیں دیں
پھر سجدہ گاہیں دمک اٹھیں

زندگی (لاک ڈاؤن)

ڈاکٹر نکہت افتخار

بدن مفلوج ہوتے جا رہے ہیں
صدا بے صوت ہوتی جا رہی ہے
کوئی چہرہ نظر آتا نہیں اب
یا شاید روشنی دُھندلا گئی ہے
کسی بھی آنکھ میں آنسو نہیں ہیں
سمندر بھاپ بن کے اُڑ چکا ہے
وہاں پر خوف کا ڈیرہ لگا ہے
(رگوں میں خون سارا منجمد ہے)
سفر اتنا زیادہ بڑھ گیا ہے
کہ اب تو راستہ بھی تھک چکا ہے
علاج درد ہے ابتک ندارد
کوئی تریاق ملتا ہی نہیں ہے
مسیحا آج بے بس ہوچکے ہیں
قلم کی آنکھ سے آنسو بہے ہیں
کہ سارے لفظ پتھر ہو چکے ہیں
کہ ہر اک سوچ بنجر ہوگئی ہے
ہوا بھی سانس کو روکے کھڑی ہے
یوں لگتا ہے قیامت کی گھڑی ہے
مگر اس شہر کی گلیوں میں رقصاں
عجب وحشت زدہ یہ زندگی ہے

خواجہ عبدالمومن ناروے

کرونا نے سارے جہاں کو ہلایا
جو سوئے ہوئے تھے انہیں بھی جگایا
بھولے ہوئے تھے جو اپنے خدا کو
انہیں بھی ہے اپنا خدا یاد آیا
دعاؤں سے صدقہ سے اور نیکیوں سے
ہر آفت، مصیبت خدا ٹال دیگا
توبہ کریں گے صبح و شام گر ہم
حفاظت کی مولا ہمیں ڈھال دے گا

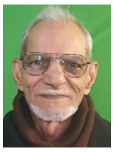

کرونا وائرس

شائق نصیر پوری

اِک رٹ ہے کرونے کی ہر شخص کے لب پر
بے دین بھی لے آیا ہے ایمان اِک رب پر
انسان ہو تم خالق دنیا سے ڈرو نا!
اللہ نے بھیجا ہے جہاں بھر میں کرونا!
ہے یہ بھی وبا جیسے کہ طاعون تھی آئی
اِس نے تو کہیں بڑھ کے یہ دنیا ہے ڈرائی
سب لوگ ہی اب قید ہیں اپنے ہی گھروں میں
شائق یہ عجب خوف ہے لوگوں کے سروں میں

نجات یافتہ شخص

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن کے خطرات اور ہولناک مواقع سے تم میں سے سب سے زیادہ محفوظ اور نجات یافتہ وہ شخص ہوگا جو دنیا میں مجھ پر سب سے زیادہ درود بھیجنے والا ہوگا۔ میرے لئے تو اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کا درود ہی کافی تھا یہ تو اللہ نے مومنوں کو ثواب پہنچانے کا ایک موقع بخشا ہے۔

(تفسیر در منثور جلد 6ص653)

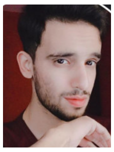

وبا کے دنوں میں
حمزہ حامؔی

وبا کے دنوں میں محبت بھی کیا ہے
وبا ہے، قضا ہے، وبا ہے، قضا ہے
فقط دور سے ہی یہ نظریں ملانا
زباں میں اشاروں کی اُلفت جتانا
غزل دور سے ہی کوئی گنگنانا
خدارا ذرا بھی قریں تم نہ آنا
طبیبوں سے میں نے یہی کل سنا ہے
وبا ہے، قضا ہے، وبا ہے، قضا ہے
یہ شہروں پہ کیسی مصیبت پڑی ہے
ہر اک جا ہیں لاشیں یہ مشکل گھڑی ہے
کہ سنسان سڑکوں پہ آفت کھڑی ہے
وہ ہُو کا ہے عالم کہ دھڑکن بڑی ہے
سبھی کو بچا لے ترا آسرا ہے
وبا ہے، قضا ہے، وبا ہے، قضا ہے
اسی واسطے کیا یہ پودے تھے سینچے
نہ کلیاں کھلی ہیں نہ یہ پھول مہکے
نہ کوئی پری نہ پنچھی ہیں چہکے
درختوں کے اوپر درختوں کے نیچے
عجب سی ہے وحشت عجب سا خلا ہے
وبا ہے، قضا ہے، وبا ہے، قضا ہے
نہ کوئی محبت نہ کوئی مسرت
کہاں کی یہ چاہت کہاں کی یہ قربت
کبھی خوفِ جاں اور کبھی دل کی حسرت
سبھی کو ہے لاحق عجب یہ مصیبت
یہ دنیا ہے حامؔی کہ وحشت سرا ہے
وبا ہے، قضا ہے، وبا ہے، قضا ہے

محمد اسحاق عاجز لندن
دُعا

بھردے جھولی میری اے خدایا
رحم کی آس لے کر ہوں آیا
دل پہ میرے تو خود ہاتھ رکھ دے
میرے مولا اے رب البرایا
چُور زخموں سے سینہ ہے میرا
اک بھنور میں سفینہ ہے میرا
اپنی قدرت کا جلوہ دکھا کر
پار اس کو لگا دے خدایا
رحم کی آس لے کر ہوں آیا
دور رہ کر نہ اب چین پاؤں
ہجر میں تیرے میں مر نہ جاؤں
مانگتا ہوں یہ جھولی پھیلا کر
اپنی رحمت کا کر مجھ پہ سایہ
رحم کی آس لے کر ہوں آیا
میں تو بیکس ہوں نادار بھی ہوں
اور تیرا خطاوار بھی ہوں
معاف کردے تو میری خطائیں
خوف تیرا ہے دل میں سمایا
رحم کی آس لے کر ہوں آیا
رشک آتا ہے اپنے نصیب پر
رحم آیا جو مجھ سے غریب پر
تیری رحمت نے پھر جوش مارا
مجھ کو در پر ہے اپنے بلایا
میرے مولا اے ربّ البرایا
میں تو لائق نہیں تھا عنایات کا
رحمتوں کا تری مجھ پہ برسات کا
پھر بھی عاجز نادار جہاں کو
کی عطا دید کی تو نے مایا
میرے مولا اے ربّ البرایا

احمد منیب

تیر نکلا کمان سے باہر
جائے گا اب گمان سے باہر
یہ جو نکلا وُہاں سے باہر
جائے گا کب جہان سے باہر
مفتی، ملا، بشپ او سنیاسی!
اب نکل آ گیان سے باہر
خود کو محصور گھر کے اندر کر
خواہشیں رکھ مکان سے باہر
اب نہ کوئی بھی کچھ چرائے گا
چیزیں رکھ لے دکان سے باہر
اک اذیت ہے پھیلی دنیا میں
خوف بھی ہے بیان سے باہر
ذات بس وہ ہی کام آئے گی
جو ہے قیدِ زمان سے باہر

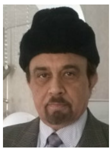

کورونا وائرس
ڈاکٹر منورؔ احمد کنڈے

یہ بلا ہے۔ فلک سے آئی ہے
برقِ دہشت یہاں گرائی ہے
یہ ہے پھوٹی طاعون ہو جیسے
گر دوا نہ بنی، دہائی ہے
جانے کب تک رہے یہ عالم میں
جانے تُو ہی، تری خدائی ہے
آؤ دارالاماں میں آ جاؤ
جس کی مٹی میں پارسائی ہے
ایسی توحیش ہے زمانے میں
کالی ناگن جوں گھر میں آئی ہے
تم کو کیا خوف ہو اس آفت کا

دل کے اندر اگر صفائی ہے
توبہ دل میں نصوح مومن کے
ذکرِ مولیٰ سے دلربائی ہے
ہے ہمیں خوف کیا اگر حاصل
اپنے مولیٰ کی رہنمائی ہے

نیرؔ صدیقی

'کورونا کی وبا سمجھا گئی ہے'
قیامت ہے جو ہو برپا گئی ہے
یکایک زندگی گہنا گئی ہے
ہوا میں زہر کیسا گھُل گیا ہے
سبھی کی جاں لبوں پر آ گئی ہے
گُل و بُلبل، چمن زادے پریشاں
یہ شاخِ سبز کیوں مُرجھا گئی ہے
ابھی تو قہقہے بکھرے ہوئے تھے
یہ کس کی آہ سب کو کھا گئی ہے
یہ اُجڑے چرچ، یہ ویراں مساجد
اُداسی کیوں اچانک چھا گئی ہے
تخیل بھی وُہی ہے، کینوس بھی
مگر تصویر اب دُھندلا گئی ہے
یہ کیسی موت رقصاں چار سُو تھی
کہ بے گور و کفن دفنا گئی ہے
نہیں تدبیر کے بس میں مقدر
قضا چند روز میں سکھلا گئی ہے
کسی قُدرت کے ہاتھوں میں ہے دنیا
کورونا کی وبا سمجھا گئی ہے

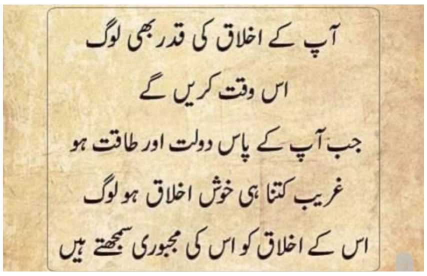
آپ کے اخلاق کی قدر بھی لوگ
اس وقت کریں گے
جب آپ کے پاس دولت اور طاقت ہو
غریب کتنا ہی خوش اخلاق ہو لوگ
اس کے اخلاق کو اس کی مجبوری سمجھتے ہیں

اخلاد الحسن اخلاد

وقت آیا کڑا خاتم الانبیاءؐ
کو بکو ہے وبا خاتم الانبیاءؐ
ورد جب بھی کیا ٹل گئیں مشکلیں
مصطفیٰ مجتبیٰ خاتم الانبیاءؐ
ہم کو معلوم ہے آپ جو بھی کہیں
رد کرے نہ خدا خاتم الانبیاءؐ
ہوکے نادم گناہوں پہ نوکر ترے
کرتے ہیں التجا خاتم الانبیاءؐ
ساری دنیا مسیحؑا کی ہے منتظر
اب کرو معجزہ خاتم الانبیاءؐ
کوئی بن آپ کے اب سہارا نہیں
اب یہی تذکرہ خاتم الانبیاءؐ
آپ کا اُمتی ہو یہی ناز ہے
تو کجا من کجا خاتم الانبیاءؐ

☆

میری بے لوث محبت کے گواہ چاند بتا
میں نے ہر روز اسے یاد کیا ہے کہ نہیں
دل یہ اسکے لیئے آباد کیا ہے کہ نہیں
میری بے لوث محبت کے گواہ چاند بتا
میں نے ہر روز دعاؤں کے مہکتے گجرے
جھلملائی ہوئی آنکھوں سے بکھرتے آنسو
گدگداتے ہوئے احساس کی پیاری خوشبو
اسکی ہر یاد سے منسوب کبھی کی کہ نہیں
میری بے لوث محبت کے گواہ چاند بتا
جاگ کر دیر تلک رات کی تنہائی میں
میں نے بس اسکو،صرف اسکو ہی سوچا کہ نہیں
سرسراتی ہوئی ان سرد ہواؤں کی قسم کھا کے
بتلاؤ اسے ٹوٹ کے چاہا کہ نہیں
جسطرح رل گئی صحراؤں میں روتی سسی
میں نے حق پیار کا اس طرح نبھایا کہ نہیں
جسطرح کھائے تھے لیلیٰ نے جگر پر پتھر
میں نے ہر زخم کو سینے میں چھپایا کہ نہیں
ہے کیا سچائی اسے کون بتائے گا بھلا
میری بے لوث محبت کے گواہ چاند بتا

ڈاکٹر خالد جاوید جان

ہم کیسے جئیں اور کیسے مریں
اِک بات بتا او پردیسی
تم لوٹ کے اب نہ آؤ گے
کیوں روٹھ گئے ہو تم ہم سے
یہ بات ہمیں بتلا ؤ گے
یوں چپ رہ کے ایسے دوست بتا
کیا ہم سے یار چھپاتے ہو
یوں دے کے مات میرے دل کو
کیاجیت کے جشن مناتے ہو
تو نے دی ہے مات بھروسے کی
اور پیار کو ہے بدنام کیا
پھر یہ تو بتاؤ پردیسی
اب جیت ہے کیا اور ہار ہے کیا
تم ہار چکے ہو لفظوں کو
کا ہے کا جشن مناتے ہو
ہوتا ہے بھروسہ پیار بھی کیا
ہاں تجھ کو ہم دکھلائیں گے
جو وعدہ تم سے ہم نے کیا
مر کے بھی دوست نبھائیں گے

پر دوست میرے اتنا تو بتا
تیرے دل میں ہے کیا
کیوں چپ رہے کے اے پردیسی
تو ہم کو یوں تڑپاتا ہے
نوک سیناں سے جیسے کوئی
سوکھے ہوئے زخم سیلاتا ہے
کیوں جان کو میری جلاتا ہے
کوئی جرم بتا دے پردیسی
ہوئی کیا ہے خطا اتنا تو بتا
پھانسی سے پہلے ہر مجرم کو
جرم بتا یا جاتا ہے
تعزیر لگائی کیا ہم پر
اے قاضی پہلے جرم بتا
پھر بعد میں ہم کو دینا سزا
مجرم بھی تو اور قاضی بھی
کیا تجھ سے ہم اُمید کریں
اب خالق ہی بتلائے
ہم کیسے جئیں اور کیسے مریں

نیّر صدیقی

'کورونا کی وبا سمجھا گئی ہے'
قیامت ہے جو ہو برپا گئی ہے
یکا یک زندگی گہنا گئی ہے
ہوا میں زہر کیسا گھل گیا ہے
سبھی کی جاں لبوں پر آ گئی ہے
گل و بلبل، چمن زادے پریشاں
یہ شاخِ سبز کیوں مرجھا گئی ہے
ابھی تو قہقہے بکھرے ہوئے تھے
یہ کس کی آہ سب کو کھا گئی ہے
یہ اُجڑے چرچ، یہ ویران مساجد
اُداسی کیوں اچانک چھا گئی ہے
تخیل بھی وُہی ہے، کینوس بھی
مگر تصویر اب دُھندلا گئی ہے
یہ کیسی موت رقصاں چار سُو تھی
کہ بے گور و کفن دفنا گئی ہے
نہیں تدبیر کے بس میں مقدر
قضا چند روز میں سکھلا گئی ہے
کسی قُدرت کے ہاتھوں میں ہے دنیا
کورونا کی وبا سمجھا گئی ہے

ساجد محمود رانا

ایسا بھی خوف کیا ہے کہ مرنے لگے ہیں آپ
وہ دیکھیں, آگ دور ہے جلنے لگے ہیں آپ
ایمان بھی خدا پہ توکل بھی ہے اگر
سامان گھر میں کس لیے بھرنے لگے ہیں آپ
سازش ہے یا عذاب ہے یہ تو نہیں خبر
اتنا تو طے ہوا ہے کہ ڈرنے لگے ہیں آپ
سائنس پہ اپنی ساری امیدوں کو باندھ کر
رب کی نظر میں اور بھی گرنے لگے ہیں آپ
انساں کو جانچنا ہے تو کردار جانچیے
مذہب کو لے کے کس لیے لڑنے لگے ہیں آپ

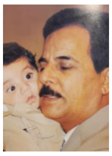

طفیل عامر

ان کو نہ پا کے روئے
دیپک بجھا کے روئے
دوری میں رونا لازم
قربت میں آ کے روئے
اس جبر کی فضا میں
ہم دل جلا کے روئے !
پہلے تو ہنس پڑے ہم
پھر بلبلا کے روئے
روتے سنی تھی ان کی
اپنی سنا کے روئے
خوگر تھے ہم تو عامرؔ
وہ بھی رلا کے روئے!

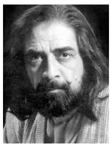

عبیداللہ علیمؔ (نذرانہءعقیدت)

ڈاکٹر منورؔ احمد کنڈے،ٹیلفورڈ۔انگلینڈ

اوٹ سے پربت کی جیسے جھانکتا ہوا آفتاب
جیسے لہرا کر چلے گلزار میں بادِ نسیم
شخصیت میں تھی عجب سی ایک ایسی کیفیت
فخرِ پاکستان تھے تم شاعروں میں اے علیمؔ
لُوٹ لیتا تھا دلوں کو تیرے لفظوں کا کمال
محفلِ شعر وسخن میں جب سنا تیرا کلام
ہر جگہ چرچے تھے تیرے ہر جگہ تھا ذکرِ خیر
ہر کوئی کرتا تھا سچے دل سے تیرا احترام
یوں لگے اب بھی منورؔ شب میں جگنو آ گئے
یاد آئی جب تری آنکھوں میں آنسو آ گئے

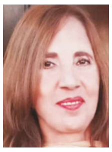

ایم زیڈ کنول

مضمحل پھولوں کی وادی ہے قرنطینہ میں
رکھی خوشبو کی پٹاری ہے قرنطینہ میں
کتنے جانباز مسیحا ہیں وطن کے میرے
حوصلے کی نگہ داری ہے قرنطینہ میں
شکریہ تیرا کرونا ہمیں اک قوم کیا
وار تیرا تری خواری ہے قرنطینہ میں
ہم تو محصور سدا سے ہیں ہمیں کیا ڈر ہو
تو نے ہی ہاری بازی ہے قرنطینہ میں

قید یہ چودہ دنوں کی لگے بھاری نہ ہمیں
ہم نے تو عمر گزاری ہے قرنطینہ میں
رقصِ وحشت نے کہا آنکھ میں آنسو بھر کے
کیسی سازش یہ ہماری ہے قرنطینہ میں
کل تلک اپنی ہی اُلفت کے پجاری تھے کنولؔ
آج کل اپنوں سے یاری ہے قرنطینہ میں

اختر شمار

اس کے نزدیک غمِ ترکِ وفا کچھ بھی نہیں
مطمئن ایسا ہے وہ جیسے ہوا کچھ بھی نہیں
اب تو ہاتھوں سے لکیریں بھی مٹی جاتی ہیں
اس کو کھو کر تو مرے پاس رہا کچھ بھی نہیں
چار دن رہ گئے میلے میں مگر اب کے بھی
اس نے آنے کے لیے خط میں لکھا کچھ بھی نہیں
کل بچھڑنا ہے تو پھر عہدِ وفا سوچ کے باندھ
ابھی آغازِ محبت ہے گیا کچھ بھی نہیں
میں تو اس واسطے چپ ہوں کہ تماشا نہ بنے
تو سمجھتا ہے مجھے تجھ سے گلا کچھ بھی نہیں
اے شمارؔ آنکھیں اسی طرح بچھائے رکھنا
جانے کس وقت وہ آ جائے پتا کچھ بھی نہیں

عامر یوسف لاہور

خرد کا شعلہ فسوں کے سوا تو کچھ بھی نہیں
حیات ایک جنوں کے سوا تو کچھ بھی نہیں
ہر اک چراغ جلا ہے چراغ سے دل کے
متاعِ شعلہ فزوں کے سوا تو کچھ بھی نہیں
سیاہ شب تری تیرہ شبی کی ظلمت تو
بس ایک کن فیکوں کے سوا تو کچھ بھی نہیں
متاعِ چشم و نظر ہے مرا ہے تو ورنہ
رگوں میں گردشِ خوں کے سوا تو کچھ بھی نہیں
نظر سے شوقِ نظر کے مقام تک لے کر
تمام ذوقِ جنوں کے سوا تو کچھ بھی نہیں
گہر کی آب تب وتاب اک خلش سے ہے
دروں میں سوزِ دروں کے سوا تو کچھ بھی نہیں
شمیمِ گل وہی زنجیرِ صبح کو عامرؔ
مرا گلاب بھی خوں کے سوا تو کچھ بھی نہیں

طارق تاسی

لکھوں کیا کہ لکھنے کا یارا نہیں ہے
کہوں کیسے دل غم سے ہارا نہیں ہے
مرے شہر میں ہر طرف مشکلیں ہیں
کہ تنہائیوں کی یہاں محفلیں ہیں
ہیں صیاد کے ساتھ ہی صید گھر میں
خواتین و پیر و جواں قید گھر میں
کہیں پر علالت ہے، فاقہ کشی ہے
اجل ہوئی آساں، کٹھن زندگی ہے
خموشی ہے یوں لب کشا تجھ سے میری
یہی ہے فقط التجا تجھ سے میری
مدد آن کر، کیا تو بھائی نہیں ہے
کہ دھیلے کی جن کو کمائی نہیں ہے
میں سنتا ہوں ان کے بلکتے ہیں بچے
بڑی بے بسی سے سسکتے ہیں بچے
نہ احساس سے اسطرح ڈانٹ کھائیں
چلو ایک روٹی کو مل بانٹ کھائیں
جو یوں آپسی ربط ٹوٹا ہوا ہے
خدا کی قسم ضبط ٹوٹا ہوا ہے
تعرض سا طرزِ کہن پر تھا جن کو
تفخر سا اپنے بدن پر تھا جن کو
خدا جانے وہ آنٹیاں اب کہاں ہیں
انہیں ڈھونڈلا تو چھپی وہ جہاں ہیں
ہوئی سرد ساری تگ و تاز ان کی
سنی ہی نہیں کب سے آواز ان کی
زمانے کو ان کی ضرورت بہت ہے
بری بنتِ حوا کی حالت بہت ہے
غموں کے اندھیرے مٹائیں تو مانیں
چراغِ محبت جلائیں تو مانیں
کڑکتی ہوئی دھوپ، برسات بھی ہے
یہاں ایک تکلیف دہ بات بھی ہے
نکلتے نہیں گھر سے فصلی بٹیرے
ہیں منظر سے غائب سیاسی لٹیرے
زر و مال گرچہ سمیٹا بہت ہے
کہ جو ہاتھ آیا لپیٹا بہت ہے
مگران میں دینے کی سکت نہیں ہے
تجھے خوش گمانی ہے مجھکو یقیں ہے
نہ رکھ ان سے امید مایوس ہو گا
تجھے اور بھی درد محسوس ہوگا
زباں میں حلاوت کا موقع نہیں ہے
ابھی یہ سخاوت کا موقع نہیں ہے
نکالیں گے یہ نوٹ وقتِ ضرورت
خریدیں گے یہ ووٹ، وقتِ ضرورت
غریبی کا اپنی تماشا نہ کرنا
ابھی ان سے کوئی تقاضا نہ کرنا
غضب کے ڈرامے یہاں ہو رہے ہیں
عمل کچھ نہیں ہے فقط مشورے ہیں
ذرا سی بھی انسانیت کب بچی ہے
مرے دل کے اندر قیامت مچی ہے
عجب سوگواری یہاں چھا گئی ہے
مری بستیوں کو نظر کھا گئی ہے
بہت جھوٹ بولا ہے اب سچ سنادوں

وبا کیوں ہے آئی تجھے یہ بتادوں
پراگندہ اعمال پالے ہوئے ہیں
یہ اپنے ہی جنجال پالے ہوئے ہیں
خطا جو ہوئی، اس کا رونا نہیں ہے
سزا بے حسی ہے، کورونا نہیں ہے

مدثر عباس

آغاز سے انجام کی دیتا تھا خبر میں
اب لوگ سمجھتے ہیں مری بات مگر میں
اک بار ہی آواز لگاتا ہوں یقیناً
پھر گونج سے لگتا ہے کہیں بارِ دگر میں
اب بیٹھے ہوئے دیکھ رہا ہوں یہ تسلسل
کچھ رنگ عناصر کے بدلتے تھے اگر میں
اک اور تناظر میں لکھا جائے گا مجھ کو
اک اور تمدن ہے اُدھر اور اِدھر میں
اوروں سے لڑائی تو مری بنتی نہیں ہے
ہاں خود سے الجھا ہوتو پھر ایسا نڈر میں
یوں لوگ تو کہتے ہیں کہ صابر ہے بلا کا
جوں دل پہ گزرتی ہے تو پھر کس کو خبر میں
وہ رنج میں بیٹھا ہو کہیں ہار کے دُنیا
اورسوچ کے پچھتائے پھروں کاش اگر میں

واجدہ تبسم ناصر

ٹوٹی کشتی دور کنارا یا اللہ
تیرے سوا اب کون سہارا یا اللہ
آس لگائے تیرے در پر بیٹھے ہیں
کر دے بیڑا پار ہمارا یا اللہ
ہر سو لاشیں، چیخ رہے ہیں بے بس لوگ
دیکھا، نہ جائے، دے دے چارہ یا اللہ
یرے کرم کے ہیں محتاج سبھی مولا
اپنے کرم کا کردے اشارہ یا اللہ
تو ہمیں اب اپنی رحمت سے کر دے
سب نے مل کر تجھ کو پکارا یا اللہ
ساتھ ہیں سب اپنوں کے پھر بھی چین نہیں
لوٹا دے تو چین ہمارا یا اللہ
ہے یہ تبسم تیرے آگے سجدہ ریز
تیرا ہی ہے اسے سہارا یا اللہ

پریم ناتھ بسمل

رہا نہیں ہے وہ صبر و قرار کا موسم
مجھے ستانے لگا پھر بہار کا موسم
تو مجھ کو بھول کے رہتا ہے خوش بہت ہمدم
کہاں گیا وہ ترے اعتبار کا موسم
ہر ایک سانس پہ لکھا ہے نام دلبر کا
مجھے تو یاد ہے اب بھی وہ پیار کا موسم
تری نگاہ میں ایسی ہیں مستیاں ساقی
دل و دماغ پہ چھایا خمار کا موسم
سنور سنور کے تو نکلا ہے چاند راتوں میں
ٹھہر گیا ہے تجھی پر سنگار کا موسم
تمہاری یاد میں کٹنے لگی مری راتیں
خیال و خواب ہوا وصلِ یار کا موسم
خوشی کے گیت میسّر نہیں مجھے بسملؔ
گیا نہیں ہے ابھی اشکبار کا موسم

توقیر سید

کرونا جب سے جذباتی ہوا ہے
ہر اک بندہ مناجاتی ہوا ہے
بغاوت کر رہا تھا تو خدا سے
سو اس باعث حوالاتی ہوا ہے
مقدر میں ترے دو گز زمیں ہے
بظاہر تو محلاتی ہوا ہے
ملانا ہاتھ بھی دشوار ہے اب
یہ تو کیسا ملاقاتی ہوا ہے
خدا کو چھوڑ کر کافر سے مانگے
مسلماں ہو کے خیراتی ہوا ہے
عجب وحشت سی ماحول میں اب
علاقہ سب طلسماتی ہوا ہے
طبیعت میں بھی بے چینی ہے توقیرؔ
نہ دن کو چین نہ راتی ہوا ہے

بشارت احمد بشارت جرمنی

وہ ایک شخص سدا باوفا ہی لگتا ہے
خیالِ یار میں سب سے جدا ہی لگتا ہے
نظر اُٹھائے تو قوموں کو زندگی بخشے
اور اُس کا بول خدا کی صدا ہی لگتا ہے
زمانہ چھان لیا اور دیکھ لی دنیا
بس ایک وہ جو سراپا دُعا ہی لگتا ہے
عجیب بات کہ ہر اُس کے چاہنے والا
ہر ایک حال میں، وہ باخدا ہی لگتا ہے
اُسی کے ساتھ رہو اُس کے ساتھ ساتھ چلو
وہی ہے جس کا جہاں ہم نوا ہی لگتا ہے
یہ بد نصیبی عدو کی نہیں تو پھر کیا ہے
جو رات ہو کے بھی دن سے خفا ہی لگتا ہے
بشارتوں پہ بشارتؔ اُسی سے ملتی ہیں
جو ہر الم میں ہمیں اک شفا ہی لگتا ہے

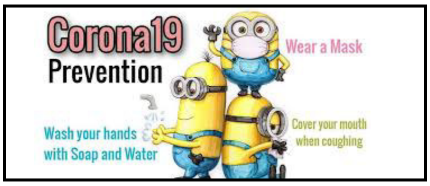

احمد

تنہا ھوئے تو خود سے ملاقات ھوگئی
جس کا گمان تک نہ تھا وہ بات ھوگئی
اتنی طویل رات تھی کل شب کہ صبح دم
بس ایک پل کو دن ہوا پھر رات ھوگئی
اب غیر کیا کہ ھم سے گریزاں ھے اپنا خون
سنگین اتنی صورت حالات ھوگئی
کل بزم آشنا میں سبھی ایک سے لگے
دشمن؟ سجن؟ انا کو مری مات ھوگئی
یادیں رفاقتوں کی رُلانے پہ تُل گئیں
دل اس قدر بھر آیا کہ برسات ھوگئی
چھوٹی سی اک وبا نے بڑا کام کردیا
ظاہر زمیں پہ بندے کی اوقات ھوگئی
احمد ہمارے دین میں مایوسی کفر ھے
سو ہاتھ اٹھے دُعا کو مناجات ھوگئی

التجا بارگاہ ارحم الراحمین

حافظ محمد مبرور

ہیں آسماں پہ نظریں لب پرہے یہ دُعا
اے مہرباں ہمارے آفات سے بچا
بے کس ہیں ناتواں ہیں اور ہیں گناہ گار
بندے ہیں تیرے ہی ہم جیسے بھی ہیں خدا
گر تجھ سے بھی نہ مانگیں پھر کس سے مانگنا ہے
جائیں کہاں پہ تیرا در چھوڑ کر بتا
تسکینِ دل کی خاطر سو سو جتن کئے
لیکن ہے دردِ دل کی بس تو ہی اک دوا
ہر خاص و عام لرزاں ترساں ہراک بشر
تجھ کو پکارتا ہے دیتا ہے یہ صدا
مشکل کشا ہمارے اے ربِ کبریا
تجھ کو تری قسم ہے دے دے ہمیں شفا

خلیل الرحمٰن قمر

اشکِ ناداں سے کہو بعد میں پچھتائیں گے
آپ گر کر مری آنکھوں سے کدھر جائیں گے
اپنے لفظوں کو تکلّم سے گرا کر جاناں
اپنے لہجے کی تھکاوٹ میں بکھر جائیں گے
تُم سے لے جائیں گے ہم چھین کے وعدے اپنے
ہم تو قسموں کی صداقت سے بھی ڈر جائیں گے
اِک تیرا گھر تھا مِری حدِ مُسافت لیکن
اب یہ سوچا ہے کہ ہم حد سے گُزر جائیں گے
اپنے افکار جلا ڈالیں گے کاغذ کاغذ
سوچ مَر جائے گی تو ہم آپ بھی مَر جائیں گے
اِس سے پہلے کہ جدائی کی خبر تُم سے ملے
ہم نے سوچا ہے کہ ہم تُم سے بچھڑ جائیں گے

افتخار راغبؔ، دوحہ، قطر

ضد سے تمھاری بر سرِ پیکار کون ہے
شہرِ وبا میں خوف سے بے زار کون ہے
معلوم ہے کہ سب نے ملایا ہے اُن سے ہاتھ
پھر پوچھنا عبث ہے کہ بیمار کون ہے
سب اپنے اپنے گھر میں ہیں سب کو ہے اپنا غم
کھائے گا کس کا غم کوئی غم خوار کون ہے
سہما ہوا ہے کب سے اخوّت کا قافلہ
سب کو خبر ہے قافلہ سالار کون ہے
وہ کون تھا جو کہتا تھا حاضر ہے جان بھی
ملنے سے کر رہا ہے جو انکار کون ہے
سب کو ہے انتظار کہ آئے گا انقلاب
خود کو مگر بدلنے کو تیّار کون ہے
راغبؔ ہے کس کو اُن س بھلائی کی کوئی آس
اہلِ ہوَس میں صاحبِ کردار کون ہے

نامعلوم

دے رہا ہے دستکیں در پر کوئی
کہہ رہا ہوں میں، نہیں گھر پر کوئی
مطمئن ہوں یوں کہ حافظ ہے خدا
ہے کھڑا خنجر بہ کف سر پر کوئی
خود کشی ہے جرم لیکن انحصار
کیا کرے اب لاؤ لشکر پر کوئی
مرنے والے کون تھے کیا نام تھا
سخت جاں لکھے گا پتھر پر کوئی
اے شہاب آنکھیں ہیں نم اور منتظر
میں ادھر، شہراہِ اخضر پر کوئی

کورونا۔ہر مُلک کے اندر!

شہزادہ قمرالدین مبشر

کیسی یہ وبا آئی ہے ہر مُلک کے اندر
ہیں فکر میں سب مُفلِس و ذی شان وقلندر
انسان گنہگار تھا آئی ہے وبا یہ
طاعوں کی طرح موت کو لائی ہے وبا یہ
ناراض ہے انسان کا واحِد جو خدا ہے
بڑھ جائے خطا حد سے تو دیتا وہ سزا ہے
خبریں یہ بتاتی ہیں کہ وحشت ہے سبھی جا
مومِن کو مگر رب سے فقط رحم کی آشا
آنگن میں رہیں پھول، مسرت کی دعا ہے
سچا ہے جو مُسلم وہ تو سجدے میں گرا ہے
اِس وقت کے لمحات کو توبہ میں گزارو
گر کِذب نے جیتا تھا، تواب صِدق سے ہارو
مولیٰ سے دعا خاص کرو سب ہی کی خاطر
سوچو نہ کہ بیری تھا کوئی دشمن و شاطر
تحسین کے لائق ہیں مسیحائی سے منسوب

ایسے ہیں یہ انسان جو اللہ کو مرغوب
روشن ہے مبشّر یہ صدی سوچ لے انساں
کیا چاہیے ہے اِس دہر میں انسان سے رحماں

پریم ناتھ بسمل

کورونا نے ایسا ستم کر دیا
مانس مرغے کی قیمت کو کم کر دیا
ناز تھا سائنسدانوں کو خود پہ مگر
سب کی ناکوں میں اس نے تو دم کردیا
حد سے بڑھنے لگا تھا بہت چین بھی
جھٹ سے قدرت نے پیچھے قدم کردیا
ہم نے دیکھی نہ ایسی بیماری کبھی
ہنستے گاتے زمانے میں غم کردیا
اب نکلتا نہیں گھر سے باہر کوئی
سارے عالم پہ دہشت رقم کر دیا
آج بسملؔ جو کھانسی ذرا آ گئی
ترک تم نے بھی ملنا صنم کردیا !

ایم اے گلشن

چاہیے شکوے کی آرزو کرتے
جو بھی کرتے وہ روبرو کرتے
زخم جو بھی لگے چھپا دیتے
ہر طرح ان کو سرخرو کرتے
جو بھی کرتے وہ بات سہہ لیتے
جس طرح سے بھی گفتگو کرتے
حق بجانب تھا ہم سے نفرت کا
مصلحت کو نہ خوبرو کرتے
جان گلشنؔ ہی دے کے قدموں میں
ان کی حسرت سے پھر رجوع کرتے

ندیم ملک

چاند سورج سے خیالوں کا پتہ پوچھتے ہیں
اور ہم ہیں کہ سوالوں کا پتہ پوچھتے ہیں
بیٹھ کر دشت کے کونے پہ تری یاد لیے
ہم غزالوں سے غزالوں کا پتہ پوچھتے ہیں
تُم وباؤں پہ کرو ماتم و گریہ لیکن
ہم خیالوں سے خیالوں کا پتہ پوچھتے ہیں
ان سے کیا بحث انہیں اپنا گماں تک بھی نہیں
یہ تو جنّت کے نکالوں کا پتہ پوچھتے ہیں
آپ کے شہر میں ٹوٹی ہے قیامت کوئی
اس لیے آپ زوالوں کا پتہ پوچھتے ہیں

کرونا وائرس
اہلِ زمین کیلئے امتحان

عاصی صحرائی

مولیٰ کی اس زمین پر آیا ہے امتحاں
بن کر عذاب دہر پہ چھایا ہے امتحاں
لفظِ ''کرونا'' سُن کے ہیں گھبرا گئے سبھی
خود کو ہیں آبِ فکر میں نہلا گئے سبھی
گوشہ نشین ہو گئے سارے جہاں کے لوگ
سب کو ہے فکر لگ گئی کہ لگ نہ جائے روگ
ہر اک کو اپنی جاں کی پڑی بے سکون سب
ہر شخص کی دُعا ہے کہ اُس کو بچا لے رب
ایسے بھی لوگ دیس میں جن کو نہیں ہے فکر
کہتے ہیں: ''کافی ہے ہمیں اپنے خدا کا ذکر!''
کہتے ہیں: ''وقتِ موت کا لکھا ہے ایک دِن!''
''ٹل کر رہیں بیماریاں ایسی علاج بِن'' !
اُفق، شفق کو دیکھئے سنسان پڑے ہوئے
شاہد ہے عاصیؔ سجدے میں انساں پڑے ہوئے

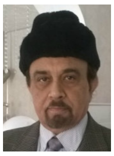

عذابِ کرونا
ڈاکٹر منور احمد کنڈے

اِک عذابِ آسمانی ہے زمیں پر آ گیا
یہ جہاں بھیجا خدا نے، ہے وہیں پر آ گیا
امتحاں یہ مومنیں کا، یہ چنوتی ہے بڑی
سارے اذہاں فکر میں ہیں اب قضا سر پر کھڑی
کہہ دیا جب 'کُن' خدا نے، ہو کے رہتا ہے وہی
اس سے بچنے کے لئے کرتا جتن ہے آدمی
گھر میں ہیں محصور سارے، رب سے امیدِ شِفا
دھو رہے ہیں ہاتھ پل پل خوف وائرس کا لگا
یہ کرو نا، وہ کرو نا، ساری تدبیریں ہیں خوب
یہ سوا نیزے کا سورج دیکھیں ہوگا کب غروب
تھام کے رسّی خدا کی سب چلیں گر ایک ساتھ
ٹال دے گا خود خدا آئی ہوئی ہر اک ممات
لازمی ہے یہ کہ مانگیں ہر مدد اللہ سے
ہر دعا دل کی صدا ہو اور زباں شاہد رہے
ہم اگر وہ ہی کریں جو چاہتا ہے ذوالجلال
دور ہم سے بھاگ لے گا سر پہ آیا ہر وبال
التجاؤں کے ہیں لمحے، وقتِ اِستغفار ہے
اہلِ عالم سے خفا الخالق الغفار ہے
پیروئے قرآں منوّر ہو تو گھبرانا نہیں
احمدِ مختار (ﷺ) سے بڑھ کر کوئی مولا نہیں

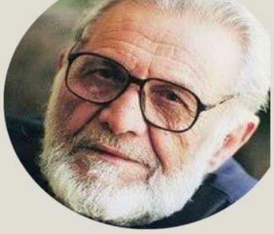

ہر چیز کا صدقہ ہوتا ہے
اور عقل کا صدقہ یہ ہے کہ
جاہل کی بات کو
برداشت کرو

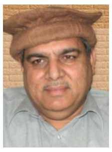

اسحاق ظفر مرحوم واہ کینٹ

کیا کوئی تریاق بانٹے گا ہوا کے زہر کے
موت کا پہرہ لگا ہے چاروں جانب شہر کے
آنکھ کوئی کیا بچائے عالموں کے ظلم سے
کیا چھپائے کان سے قصے گناہ کی نہر کے
دوستو ننگی اداؤں کا گلہ کس سے کریں
چھوڑتا کوئی نہیں کر کے نظارے قہر کے
لُوٹنے والا بھی نکلا ہے شکاری علم کا
بانٹتا ہے گُلِ وفا کے نام سے بے مہر کے
غرق ہیں سب حور و غلماں کے تصور میں یہاں
ہر کوئی مانگے مزے سارے کے سارے دہر کے
الحفیظ و الاماں میرے فقیہہ شہر پہ
دیکھتے ہیں حال وہ بیٹھے کنارے بحر کے
اے خدا محفوظ رکھنا ہر رُخِ ابلیس سے
آج کی تہذیب کے ہر حُسن کے ہر سحر کے

عبدالصمد قریشی

یہ سچ ہے آجکل محصور بے شک اپنے گھر میں ہوں
مگر اس حال میں بھی میں دعاؤں کے سفر میں ہوں
تب ایسے وقت میں مجھ سے میرا وجدان کہتا ہے
تیرا سایہ ہوں ترے ساتھ ہر ہر راہ گذر میں ہوں
مجھے خود میں کسی جادو، کسی ٹونے سے کیا لینا
میں وہ ہوں اپنے پیاروں کی محبت کے اثر میں ہوں
سفر مشکل صحیح پھر بھی میں تنہا تو نہیں خود میں
یقیں کے رتھ پہ بیٹھا ایک اپنی ہی لہر میں ہوں
میری ہر سوچ پر، ہر لفظ پر اُس کی حکومت ہے
یہ میرا فخر ہے میں اس کی چاہت کے سحر میں ہوں
کبھی جو دُکھ میں فرطِ غم سے میرے اشک بہہ نکلے
میرا رب مجھ سے کہتا ہے میں تیری چشم تر میں ہوں

سکینہ مرتضیٰ لندن

رَب نے حُسن دیا ہے تجھ کو اُس کو تو بدنام نہ کر
پھر پردہ کا حکم دیا ہے اس کو تو بدنام نہ کر
جینز کی نیکر شرٹ انگریزی کیا تیرے من کو بھائی ہے
ٹھنڈے دل سے سوچ ذرا تو دنیا پہ کیوں آئی ہے
جب رہے گی پردہ میں تو تیری عزت لاکھوں کی
جب نکلے بازار تو ننگی نہیں رہے گی کاکھوں کی
ہر کوئی جب دیکھے گا تجھ کو واہ واہ کردے گا تیری
پھر جب چلے جائے گی موضوع بنے گی تو مذاقوں کا
تیرا بدن ہے امانت رب کی اس میں تو خیانت نہ کر
پردہ کوئی روک نہیں ہے حجاب میں رہ کر کام بھی کر
یہ رب کا دیا ہوا تحفہ ہے اسکو تو حجاب میں رکھ
حفاظت تو کر اس کی دنیا میں اسکو فاش نہ کر
بیٹی ،بہن، بیوی،ماں کا رشتہ تجھے الاٹ کیا
اس کا تو تقدس رکھ اسکو تو پامال نہ کر
ننگی رانیں اور ننگے کندھے یہ تیرا لباس نہیں
کتنی اس میں انسلٹ ہے تیری اس کا تجھے احساس نہیں
بات ہے تیرے فائدے میں جو میں نے سمجھائی ہے
اسی میں تیری عزت ہے اسی میں تیری بڑائی ہے

مبارک عابد

ملتجی ہیں آج خالق ہم سبھی تیرے حضور
مانتے ہیں سب خطائیں اور سب اپنے قصور
ہم میں کچھ ایسے بھی تھے جو خود ہی بن بیٹھے خدا
ان کی باتوں میں چھلکتا تھا تکبر اور غرور
یہ خدائی ان کی مٹھی میں ہے تھا ان کو گماں
اپنی طاقت کے نشے میں ہو گئے تھے ایسے چور
یاد نہ آیا انہیں اے مالکِ ارض و سما
تو تکبر کرنے والوں کو پکڑتا ہے ضرور
آج تیری ایک نظروں سے چھپی تخلیق نے
کردیا ناکام ہر انسان کا علم و شعور
معاف کردے ہم بھلا بیٹھے تھے اے رحمان تجھے
ہم کو لے ڈوبی تھی دنیا داری کی مستی سرور
ہم ترے اک حرفِ کُن کے منتظر ہیں ذوالمنن
رحم کر تو بخش دے کر یہ بلا تو ہم سے دو

مسعود چوہدری

کسی کے ساتھ میں جب اختلاف کرتا ہوں
خود اپنے آپ کو اپنے خلاف کرتا ہوں
کبھی جو بھولے سے ہو جاتی ہے خطا مجھ سے
تو اس خطا کا میں خود اعتراف کرتا ہوں
فریب کھا چکا ہنس ہنس کے دوستی کے لئے
میں دوستوں کے ستم کو معاف کرتا ہوں
مری گواہی مری ذات کی بنی دُشمن
حقیقتوں کا جب میں انکشاف کرتا ہوں
میں جب دیکھوں کہ ذہنوں کے کھیت بنجر ہیں
تو رودِ قلب کے اندر شگاف کرتا ہوں
گلاب رُت کی اُداسی کو دیکھ کر مسعودؔ
میں اپنی خودسری سے انحراف کرتا ہوں

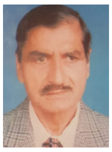

عبدالرشید شاہد

اپنی آنکھوں سے کبھی دل میں اُتارو تو سہی
زندگی اک مسافر کی سنوارو تو سہی
تم اگر چاہو تو ہو جائیں گے حاضر لاکھوں
اُٹھ کے اک بار ذرا ان کو پکارو تو سہی
تم کو مل جائے گی دنیا میں لمبی عمر
عشق کی راہ میں دل و جان کو وارو تو سہی
خوب معلوم ہو جائے گا وفادار ہے کون
آکے دو روز میرے ساتھ گزارو تو سہی
فاصلے سارے سمٹ جائیں گے دیکھو شاہدؔ
اِک قدم جانب منزل کبھی مارو تو سہی

ثاقب زیروی

فرصت ہے کسے جو سوچ سکے پس منظر ان افسانوں کا
کیوں خوابِ طرب سب خواب ہوئے کیوں خون ہوا ارمانوں کا
طاقت کے نشے میں چور تھے جو توفیقِ نظر جن کو نہ ملی
مفہوم نہ سمجھے وہ ناداں قدرت کے لکھے فرمانوں کا
پستے ہیں بالآخر وہ اِک دن اپنے ہی ستم کی چکّی میں
انجام یہی ہوتا آیا فرعونوں کا ہامانوں کا
جب زخم لگیں تو چہروں پر پھولوں کا تبسم لہرائے
فرزانوں کا اتنا ظرف کہاں، یہ حوصلہ ہے دیوانوں کا
اے صبر و رضا کے متوالو، اُٹھو تو سہی، دیکھو تو سہی
طُوفانوں کے مالک نے آخر رُخ پھیر دیا طوفانوں کا
اب آئے جو یار کی محفل میں جاں رکھ کے ہتھیلی پر آئے
اس راہ پہ ہر سُو پہرہ ہے کم فہموں کا نادانوں کا
آندھی کی طرح جو اُٹھے تھے وہ گرد کی صورت بیٹھے ہیں
ہے میری نگاہوں میں ثاقب انجام بلند ایوانوں کا

صابر ظفر

عذاب آئیں گے، جب ظلم پر خاموش رہو گے
یونہی اُجڑتے رہو گے، اگر خاموش رہو گے
تم آزمائے ہوئے ہو، فریب کھائے ہوئے ہو
زبانیں کٹتی رہیں گی، مگر خاموش رہو گے
یہ تم جو سوچ رہے ہو، وجود نوچ رہے ہو
مثالِ سنگ عبث ٹوٹ کر خاموش رہو گے
نکالتے ہوئے آنکھیں، اُچھالتے ہوئے لاشیں
اب ایک عمر ہوئی... عمر بھر خاموش رہوگے؟
یہ گھر قفس ہے تمہارا، لگے نجات کا نعرہ
مرو گے تم بھی جو صابر ظفر خاموش رہو گے

حافظ محمد مبرور

یہاں کچھ بھی نہ بدلے گا جو حالت اپنی نا بدلو
فقط کہنے سے کچھ نا ہو جو فطرت اپنی نا بدلو
یہ قولِ ربِ عالم ہے صحیفوں میں اسے لکھ لو
خدا کچھ بھی نہ بدلے گا جو خصلت اپنی نا بدلو
زمیں پر آفتیں کیسی کبھی سوچا بھی ہے تم نے
یہ بڑھتی جائیں گی ہر دن جوطینت اپنی نا بدلو
فقط اسباب پر کرنا بھروسہ کام نا آئے
دوا بھی کام نا آئے جوعادت اپنی نا بدلو
میں قصہ مختصر کر دوں کہ حافظؔ بات سچ کہہ دوں
دُعا بھی کام نا آئے جوحرکت اپنی نا بدلو

اطہر حفیظ فراز

دوریاں بھی لازم ہیں، رابطہ ضروری ہے،
آ تجھے بتاؤں میں فاصلہ ضروری ہے
کیا بہت ضروری ہے دوسروں کے گھر جائیں،
فون پہ ہی کر لیں جو مشورہ ضروری ہے
ایک تو اکیلا ہے، ایک ایک گیارہ ہیں،
نفسیات کہتی ہے، دوسرا ضروری ہے
یوں تو چند لفظوں سے السلام ہوتا ہے
ان دنوں مصافحہ، کب کہا، ضروری ہے
قوم قوم ہوتی ہے، لیڈروں کی سنتی ہے،
ریوڑوں کا چرواہا سربراہ ضروری ہے
کب کہا ''ضروری ہے'' ہم ردیف بھی لائیں،
پر غزل کے آخر پہ قافیہ ضروری ہے
دینیات کہتی ہے، جب بلائیں آتی ہیں
اپنی ہر دعا کے ساتھ کچھ دوا ضروری ہے
آفتوں سے پہلے ہی، آفتیں بھگانے کو،
رب سے بات کرنے کا تجربہ ضروری ہے

اب فراز!! شدت سے یہ خیال آتا ہے،
درد کے بھلانے کو قہقہہ ضروری ہے

جیم جاذل

کیا کیا نہ یوں تو ٹوٹی قیامت بھی خیر سے
دیوار و در ہنوز ہیں اور چھت بھی خیر سے
اس نے بھی وجہِ ترکِ تعلق بیاں نہ کی
مانگی نہیں تھی ہم نے وضاحت بھی خیر سے
ہم نے بھی اشک آنکھ سے ڈھلنے نہیں دیا
بوجھل ہوئی نہ اس کی طبیعت بھی خیر سے
پھر کیا ہوا کہ تم نے یہ دنیا تیاگ دی
تم نے تو کی نہیں ہے محبت بھی خیر سے
یہ شر پسند لوگ کیوں مانیں گے تیری بات
ان کو تو ہے نہیں کوئی نسبت بھی خیر سے
جاذلؔ کٹے گا کس طرح جیون پہاڑ سا
بیٹھے ہو چھوڑ چھاڑ کے وحشت بھی خیر سے

رجوع الی اللہ

عامرؔ حسنی ملیشیا

خوفِ خدا کے دن ہیں، خدا کی پناہ مانگ
توبہ، فنا کے دن ہیں، خدا کی پناہ مانگ
اک موت کا ہی رقص نظر آئے چارسو
قہرِ خدا کے دن ہیں، خدا کی پناہ مانگ
شیطاں سے چھوڑ یاریاں اب وقت ہے کہ آ
عہدِ وفا کے دن ہیں، خدا کی پناہ مانگ
گر تیرے کام خوب ہیں، اللہ کے فضل ہیں
پھر کیوں سزا کے دن ہیں، خدا کی پناہ مانگ
کب تک خدا سے دور بھٹکتا رہے گا یوں
آئے لقا کے دن ہیں، خدا کی پناہ مانگ
حشرات اس کے حکم سے چلتے ہیں دوستو
آئے وبا کے دن ہیں، خدا کی پناہ مانگ
اس کے سوا نہیں کوئی تمھیں بچائے گا
صبرو رضا کے دن ہیں، خدا کی پناہ مانگ
اس کو منائیں گریہ و زاری سے ہم تو پھر
آگے بقا کے دن ہیں، خدا کی پناہ مانگ
عامرؔ ہو سجدہ ریز سدا اس اُمید پر
آئے شفا کے دن ہیں، خدا کی پناہ مانگ

اتباف ابرک

عجب اک پردہ حائل ہے جو سرکایا نہیں جاتا
بہت سیدھی سی باتوں کو بھی سمجھایا نہیں جاتا
کبھی یہ ناز تھا خود پر کہ میرِ کارواں ہم ہیں
لٹے پھر قافلے ایسے کہ اترایا نہیں جاتا
بہت وعدے ہوئے ہم سے، مداوا لازمی ہو گا
مگر ہے وقت ایسا قرض لوٹایا نہیں جاتا
بہاریں جب نہیں اپنی تو پھر کیا آرزو رکھنا
یہ گلشن مانگے کی خوشبو سے مہکایا نہیں جاتا
نجانے کیوں سبھی رشتے ہوئے جاتے ہیں اب لاغر
کہ دوری دو قدم کی ہو مگر آیا نہیں جاتا
کسی سے مشورہ کیسا کسی سے پوچھنا کیا اب
ہنر ایسا محبت ہے جو بتلایا نہیں جاتا
مرے صیّاد سے کہہ دو نہیں اب لوٹنا ممکن
سمندر میں گرے قطرے کو پھر پایا نہیں جاتا
اب آگے ڈھونڈتے ہو کیا، مجھے تم اس کہانی میں
میں وہ کردار جو انجام تک لایا نہیں جاتا
کہیں گے کیا مجھے اپنے، کہے گا یہ زمانہ کیا
ہو ابرکؔ سچ اگر لکھنا تو گھبرایا نہیں جاتا

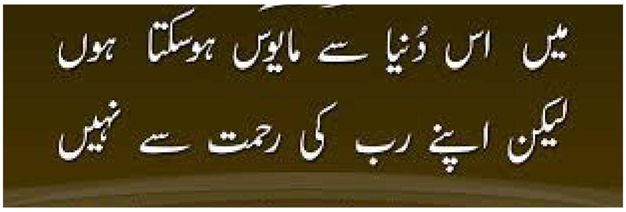

اللہ ہم شرمندہ ہیں

ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ

تیرے در پہ آج یہ گریہ کناں ہے زندگی
میرے مولا اب تو بس محوِ فغاں ہے زندگی
اپنے شعلوں میں ہی جل کے راکھ ہونے لگ گئی
اپنے ہی ردِ عمل سے اب دھواں ہے زندگی
کل تلک جو رقص فرما تھی لہو کی تال پر
رنجشوں کے قہر میں نوحہ خواں ہے زندگی
ہے آنکھ رت یہ ہجر کی، لبوں پہ تشنگی بہت
جو خاک کا بدن ہے اس میں تُو کہاں ہے زندگی
اک ردائے خوف میں لپٹے ھوئے ھیں سب مکاں
مکیں سہم کے پوچھتے ہیں تو کہاں ہے زندگی
تماشہ ہے یہ آنکھ کا، یا دل کا بس فریب ہے
کہ بس زیاں کے کھیل میں ہی رائیگاں ہے زندگی
زمین رو رہی ہے اپنی بے بسی پہ آج کل
کہ دیر اور حرم میں بھی اب فغاں ہے زندگی
تو اپنے دل پہ ہاتھ رکھ اور اے بشر مجھ کو بتا
کہ اب سجود میں تجھے یہ کیوں گراں ہے زندگی
خدائے لم یزل کی رحمتوں سے مت ہو بد گماں
یقیں کی آنکھ سے پرے تو بس گماں ہے زندگی

جوش ملیح آبادی صاحب

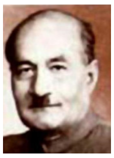

زندگی، باگیشری، سارنگ، دیپک، سوہنی
بت تراشی، رقص، موسیقی، خطابت، شاعری
پنکھڑی، تتلی، صنوبر، دوب، نسریں، چاندنی
لاجوردی، شربتی، دھانی، گلابی، چمپئی
زعفرانی، آسمانی، ارغوانی زندگی
لاجونتی، مدھ بھری، کومل، سہانی زندگی
زندگی جام و صراحی، مرغ زار و نسترن
اک سجاوٹ، اک گھلاوٹ اک لگاوٹ اک پھبن
رقصِ طاؤس و جمالِ صبح و رنگ نارون
گل نفس، گل چہرہ، گل خو، گل جبیں، گل پیرہن
رقصِ ابر و نغمۂ آبِ رواں ہے زندگی
خاکِ بے آواز کے منہ میں زباں ہے زندگی
زندگی یوسف زلیخا، قیس و لیلیٰ نل دمن
عید کا دن چودھویں کی رات چوتھی کی دلہن
اک کھنکتی لب کشائی ایک چھبتا بانکپن
رنگ ساگر، راگ مندر، روپ مالا، پھول بن
جس کی قرنوں تجلۂ قدرت میں رکھوالی ہوئی

نعت

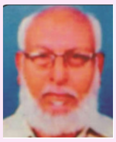

اقبال شیدائی۔ ورنگل، تلنگانہ

درخشاں بدر سا چہرہ، بدن خوشبو کا پیکر ہے
وہ اک اُمّی، مگر دنیا کے ہر دانا سے برتر ہے
وہ گزرے جس طرف سے بھی فضا ساری معطّر ہے
یہ کیسی شان آقاؐ کی مرے اللہ اکبر ہے
شہِ کونین کی اس سادگی کے جاؤں میں قرباں
ہے تکیہ ہاتھ اُنؐ کا، اک چٹائی اُنؐ کا بستر ہے
سراج اعارفیں ہے وہ،شفیع المذ نبیں ہے وہ
وہی نبیوں کا خاتم ہے، وہی ساقیٔ کوثر ہے
وہ مزّمّل، وہ مدّثّر، قریشی وہ، تہامی وہ
وہ قاسم ہے، وہ طٰحٰہ ہے وہ طاہر ہے، مطہّر ہے
وہی طیّب، وہی عاقب، وہی صاحب وہی سیّد
وہی خیر الوریٰ ہے، وہ شفیعِ روزِ محشر ہے
وہ عالم ہے معلّم ہے، وہ صادق ہے مصدق ہے
وہی حامد، وہی محمود ہے، ہادی ہے، سرور ہے
وہی اوّل، وہی آخر، وہی باطن، وہی ظاہر
وہی حاشر، وہی ناصر، وہی ناصر ہے، رہبر ہے
ہے رفرف اُنؐ کا مرکب اور سدرہ تک پہنچ اُنکی
سفر معراج کا اُنؐ کے لیے تو صرف پل بھر ہے
مرا ایقانِ کامل ہے یہی اقبال شیدائی
درِ آقاؐ پہ جو پہنچا وہ قسمت کا سکندر ہے
دمِ آخر ملا وجدان یہ اقبال شیدائی
غلامی مل گئی جس کو نبیؐ کی وہ مظفر ہے

ڈاکٹر منصور خوشتر-غزل کی ایک نئی آواز۔

نصر الدین بلخی، پٹنہ

ڈاکٹر منصور خوشتر عصری ادب کی ایک ایسی شخصیت ہیں جنہوں نے اپنی شناخت بہت ہی مختصر عرصے میں بنائی ہے۔ نثری ادب ہو، شعری ادب ہو یا صحافتی ادب، ہر جہت اور پہلو سے منصور خوشتر کی صدائے بازگشت سنی جا سکتی ہے۔ یہ صدائے بازگشت اتنی مؤثر ہے کہ ہمارے اذہان وقلوب کو پل بھر میں متوجہ ہی نہیں کرتی بلکہ تاثیر کا وہ پہلو رکھتی ہے کہ ہم خوشتر کی آواز کو اپنی ہی آواز سمجھنے لگتے ہیں۔ بزرگ اور معتبر شاعر پروفیسر عبدالمنان طرزی نے خوشتر کے متعلق بالکل صحیح لکھا ہے۔

چھپا ہے اس کی تخلیقوں میں وہ تاثیر کا پہلو
پہنچتی ہے حریم ناز تک ہر حال میں خوشبو

یوں تو منصور خوشتر کئی جہتوں سے جانے پہچانے جاتے ہیں لیکن یہ کہنا بجا ہوگا کہ ان کی انفرادیت اُن کی شاعری میں پنہاں ہے۔

’’کچھ محفل خوباں کی‘‘ جو ان کا پہلا مجموعہ کلام ہے۔ اس کو پڑھنے کو بعد قاری اس بات کا بخوبی اندازہ لگا سکتا ہے شاعر نے معاشرے کو مختلف زاویہ نگاہ سے دیکھا اور اپنے احساسات اور خیالات کو شعری پیکر میں پیش کیا ہے۔ منصور خوشتر کی غزلوں کا اعجاز یہ ہے کہ شاعر کی فکر میں کوئی تذبذب اور پراگندگی نہیں ہے بلکہ واضح اور صاف نقطۂ نظر اُس کے پیش نظر ہے۔

اپنی محفل میں اگر مجھ کو نہیں پاؤ گے
ایسے حالات میں تم اور بھی گھبراؤ گے
اجنبی پر مت بھروسہ کیجئے
کر لیا تو جلد توبہ کیجئے

اردو شاعری غدر کے بعد سے کسی نہ کسی فکر کی اسیر رہی ہے اور شعرا کی اکثریت نے اپنے وقت اور حالات کے مدنظر اپنے احساسات کا اظہار کیا ہے۔ ترقی پسند ادب، جدیدیت اور اب مابعد جدیدیت کے حوالے سے اردو شعرا و ادبا نے اپنے نظریات اور افکار کو پیش کیا۔ حالات کے تناظر میں تو اس قسم کا ادب بہر حال معنویت رکھتا ہے لیکن صورت حال کی تبدیلی پھر اُسے آفاقی بنانے میں مانع ہوجاتی ہے۔ اقبال اور فیض کے کلام کو اس لئے مقبولیت حاصل ہوئی کہ اقبال وفیض نے مروجہ روایت سے ہٹ کر اظہار خیال کیا ہے۔

حدیث بادہ و مینا و جام آتی نہیں مجھ کو
نہ کر خارہ شگافوں سے تقاضا شیشہ سازی کا

(اقبال)

ڈاکٹر منصور خوشتر کی شاعری میں بھی اکثر وبیشتر مقامات پر روایت شکنی کا عنصر دیکھنے کو ملتا ہے۔ یہ عنصر انہیں شعرا کی صف میں انفرادیت عطا کرتا ہے۔

ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی نے اسی تناظر میں خوشتر کے متعلق لکھا ہے:

’’منصور خوشتر کی غزلوں میں زمان ومکان کی حدوں کو توڑ کر بے کراں ہونے کی صلاحیت یقیناً ہے۔‘‘

اپنی حالت پہ اسے چھوڑ دو، مناسب ہے یہی
ٹوٹے گا زور جنوں لوٹ کے گھر آئے گا
میرے دشمن سے مجھ کو اٹھوا دو
یوں نہیں میں یہاں سے جانے کا
گر مجنوں کی آنکھ سے دیکھیں
سب سے اچھے کالے چہرے

اردو غزل کا دائرہ گرچہ کتنا ہی وسیع تر ہوجائے مگر غزل کا حقیقی مفہوم اور اس کی تشریح ناقدین نے مجازی معنی میں کی ہیں۔ مومن خان مومن کی شاعری کی انفرادیت ان کے مجازی رنگ میں پنہاں ہے۔ حسرت موہانی کو امام المتغزلین کا خطاب اسی سبب سے ملا کہ حسرت نے غزل کو اس دور میں اس کے حقیقی رنگ میں پیش کیا جب اردو شاعری میں منظومات کو بالادستی حاصل تھی اور ترقی پسند ادب نے شاعری کو اشتراکیت کے حوالے کر دیا تھا۔ حسرت موہانی کی غزل ’’یاد ہے‘‘ ہمیں نہ صرف غزل کو اس کے حقیقی رنگ میں دیکھنے کا موقع دیتی ہے بلکہ غزل مسلسل کی سب سے بہترین مثال ہے۔

پھر بھی ہے تم کو مسیحائی کا دعویٰ دیکھو
مجھ کو دیکھو، مرے مرنے کی تمنا دیکھو
ان کو دیکھا ہے جب سے گرم عتاب
آرزو کو ہے خودکشی کی ہوس

(حسرت)

منصور خوشتر کی غزلوں میں بھی غزل کا یہ رکھ رکھاؤ بدرجۂ اتم دیکھنے کو ملتا ہے۔ تمنائے محبوب، انتظار محبوب، ستم محبوب، یاد محبوب، شکوۂ زمانہ، قصۂ ہجر و وصال، غم جاناں، عشوہ وغمزہ وادا وغیرہ جیسے مضامین خوشتر کے مجازی رنگ کو پیش کرتے ہیں اور

ہمیں یہ احساس دلاتے ہیں کہ عہد جدید کے تقاضے کے باجود عشق کی جلوہ سامانیاں کم نہیں ہوئی ہیں ۔

کوئی بسمل ہے تو کوئی جاں بلب — کیا ستم ڈھاتا ہے جلوہ آپ کا
گھنٹوں پیڑ کے نیچے کرنا — پیار محبت والی باتیں
یاد آتی ہے ادائیں تری پیاری باتیں — ترک الفت کو اگر ایک زمانہ گزرا
ہائے وہ رنگ تذبذب تیرا — ہائے وہ تیری خطا کا عالم
اپنی محفل میں اگر مجھ کو نہیں پاؤ گے — ایسے حالات میں تم اور بھی گھبراؤ گے

مذکورہ بالا اشعار میں قارئین کچھ محفل خوباں کی کے حوالے سے منصور خوشتر کی غزلوں میں غزل کو اس کی حقیقی شکل وصورت میں دیکھ سکتے ہیں۔ان اشعار میں وارداتِ عشق، یادِ عشق، ستمِ عشق، حسن وعشق، اضطرابِ عشق وغیرہ جیسی کیفیات نہایت ہی موثر انداز میں ابھر کر سامنے آتی ہیں۔

منصور خوشتر جس عہد کے شاعر ہیں وہ ترقی کی منازل کی طرف رواں ہے۔ سائنسی علوم نے دنیا کو گلوب لائز (Globlise) کر دیا ہے۔آج ہم اپنے خیالات ونظریات کو چند لمحے میں دنیا کے سامنے پیش کر سکتے ہیں۔چند ساعت میں قصۂ درد خلق خدا کے سامنے پیش کیا جا سکتا ہے۔فیس بک، کمپیوٹر، واٹس ایپ وغیرہ سوشل سائیٹس نے ہم کو ایک دوسرے سے قریب تر کر دیا ہے۔منصور خوشتر کی غزلیں بھی اس سے متاثر ہوئیں اور ان وسائل کو ترسیل کا ذریعہ بنایا ۔

کہانی فیس بک پر ہے رقم اب
محبت اپنی مشہورِ جہاں ہے
فیس اور ہے ٹویٹر کا زمانہ آیا
کتنے اقدار جو اعلیٰ تھے وہ ہم سے گزرے

ترسیل اظہار کی اس آزادی کے باجود ہماری تہذیبی وراثت کا خاتمہ آج کے دور کا سب سے بڑا المیہ ہے۔اتنی قربت کے باوجود ایک دوسرے سے دوری کا احساس عصر حاضر کا شاخسانہ ہے۔سائنسی علوم نے سورج کی شعاؤں کو گرفتار تو کرلیا لیکن ضمیر کی تاریکی کو روشن نہیں کر سکا ۔

جس نے سورج کی شعاؤں کو گرفتار کیا
زندگی کی شبِ تاریک سحر کر نہ سکا
اپنے افکار کے خم و پیچ میں الجھا ایسا
آج تک فیصلۂ نفع و ضرر کر نہ سکا

اقبال

خوشتر کا دل بھی ان نامساعد اور ناگفتہ بہ حالات سے پریشان ہو اٹھتا ہے۔ مکر وفریب، بغض وحسد، فرقہ وارانہ فساد، قتل وغارت گری جیسے واقعات خوشتر کی غزلوں کو مجاز کے رنگ سے باہر لے آتے ہیں۔شاعر جو گیسوئے برہم کو سنوارنے میں لگا تھا وہ حالات کو اپنے اندر انگیز کرنے لگتا ہے اور اس کے دل میں یہ احساس پیدا ہوتا ہے ۔

اور بھی غم ہیں زمانے میں محبت کے سوا
راحتیں اور بھی ہیں وصل کی راحت کے سوا

(فیض)

سنگینیٔ حالات کے تناظر میں خوشتر کی غزلوں کی یہ کیفیت ملاحظہ فرمائیں ۔

فریب ورہزنی، شورش دھماکے
کوئی بھی عنواں رکھ دیجئے بیاں کا
سڑک پر چلنے والے کو نہیں اتنی سی مہلت
تڑپتی لاش کو بھی دیکھ کر رکتا نہیں ہے
سیکڑوں قتل کیا جس نے وہی منصف ہے
شہر کا تیرے ہے دستور نرالا کیسا
یہاں تو بھائی کی جاں کا ہے دشمن بھائی خود ہی
بسائی تھی جو آدم نے یہ وہ دنیا نہیں ہے

یاس ومحرومی کی اس کشمکش کے باجود منصور خوشتر کے یہاں رجائیت کا پہلو روشن مستقبل کی امید اور ناموافق صورتِ حال کو موافق کرنے کا جذبہ پایا جاتا ہے ۔

سخت دن اپنے اس امید پہ گزرے خوشتر
آؤ گے، آؤ گے، اب آؤ گے، اب آؤ گے
اپنی حالت پہ اسے چھوڑ و مناسب ہے یہی
ٹوٹے کا زورِ جنوں لوٹ کے گھر آئے گا
چارہ گری کی اب نہیں حاجت مجھے
درد ہی خود بڑھ کے درماں ہو گیا
زندگی پاتی ہے اس سے حوصلہ
غم دوراں سے گھبراتے کیوں ہو

منصور خوشتر کی غزلوں کی کئی جہتیں متعین کی جاسکتی ہیں اور اس میں نئے نئے پہلو تلاش کئے جاسکتے ہیں۔مجھ جیسے ادب کے ادنیٰ طالب علم کے لئے اس کا احاطہ کرنا ممکن نہیں ہے۔ناقدین ادب اس سمت میں رہنمائی کر سکتے ہیں۔اردو ادب کی نامور ہستیوں نے ’’کچھ محفل خوباں کی‘‘ اور منصور خوشتر کے تعلق سے بہت کچھ لکھا ہے اور ان کی شخصیت اور فن پر اہلِ علم کے لکھنے کا سلسلہ جاری ہے۔میں امید کرتا ہوں کہ اردو ادب کا یہ روشن ستارہ اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ فلک کی بلندیوں پر تابندہ رہے گا۔

لاعلمی ہزار نعمت ہے! میڈیا زیادہ خطرناک ہے

جاوید چوہدری۔زیرو پوائنٹ

وکٹر اٹلی کے شہر میلان سے تعلق رکھتا ہے‘ گارمنٹس فیکٹریوں کو کپڑا سپلائی کرتا ہ۔عمر 62 سال ہے اور یہ مضافات میں چھوٹے سے گاؤں میں رہتا ہے۔ وکٹر دو ماہ شدید بیمار رہا۔اسے بخار بھی تھا۔نزلہ بھی‘ زکام بھی اور اس کے جسم میں بھی درد ہوتا تھا لیکن یہ بیماری کے باوجود کام کرتا رہا‘ چالیس سال سے ایکسرسائز کا عادی ہے‘ بخار کے عالم میں بھی جاگنگ اور سوئمنگ کرتا رہا۔بخار ٹھیک ہو گیا اور یہ روٹین کے مطابق زندگی گزارنے لگا‘ دسمبر 2019ء میں چین سے کرونا وائرس کی اطلاعات آنے لگیں۔دنیا وائرس کی طرف متوجہ ہو گئی‘ یورپ میں تحقیقات شروع ہوئیں تو پتہ چلا چین کے بعد اٹلی میں سب سے زیادہ مریض سامنے آ رہے ہیں۔اطالوی حکومت نے مزید تحقیقات کیں‘ پتا چلا کرونا وائرس کے زیادہ تر مریضوں کا تعلق میلان اور وینس کے علاقوں سے ہے۔حکومت نے فوراً خطرے کا الارم بجا دیا۔آپ شاید یہ جان کر حیران ہوں گے کرونا اٹلی کے صوبے گوریزیا کے شہر ماریانو ڈیل فرولی کا ایک چھوٹا سا گاؤں ہے‘ کرونا کا مطلب تاج (کراؤن) ہوتا ہے۔یورپ میں 1918ء میں انفلوئنزا کی خوف ناک وباء پھوٹی تھی‘ پانچ کروڑ لوگ ہلاک ہو گئے۔یورپ کے ساتھ امریکا میں بھی 6 لاکھ 75 ہزار لوگ مارے گئے تھے‘ میڈیکل سائنس دانوں کا خیال تھا یہ وائرس اٹلی کے گاؤں کرونا سے چلا تھا اور یہ سپین پہنچ کر خوف ناک شکل اختیار کر گیا تھا چنانچہ اس کا نام کرونا رکھ دیا گیا‘ انسانوں میں وقت گزرنے کے ساتھ کرونا وائرس کے خلاف قوت مدافعت پیدا ہو گئی چنانچہ دسمبر 2019ء تک ہم سب سال میں ایک آدھ بار کرونا کا شکار ہوتے تھے‘ہمیں نزلہ بھی ہوتا تھا‘ گلے میں سوزش بھی ہوتی تھی اور بخار بھی ہوتا تھا لیکن یہ چند دن رہ کر ٹھیک ہو جاتا تھا چنانچہ میڈیکل سائنس نے کرونا کو غیر مضر قرار دے دیا لیکن پھر چین کے شہر ووہان میں دسمبر 2019ء میں ایک نیا وائرس سامنے آیا‘ یہ وائرس کرونا کی ایڈوانس قسم تھی چنانچہ سائنس دانوں نے اسے نوول کرونا وائرس کا نام دے دیا۔یہ ہلاکت خیز بھی تھا اور تباہ کن بھی‘ کرونا وائرس اٹلی سے چین گیا تھا یا پھر یہ چین سے اٹلی آیا یہ فیصلہ ابھی تک نہیں ہو سکا تاہم مارچ 2020 تک یہ حقیقت ضرور سامنے آ گئی کرونا وائرس کا مرکز چین نہیں اٹلی ہے اور یہ اٹلی سے تیزی سے یورپ اور سنٹرل ایشیا میں پھیل رہا ہے‘ یہ اٹلی کے شمالی علاقوں کے لوگوں کو زیادہ متاثر کر رہا ہے‘ شاید اس کی وجہ ان کے خون میں موجود پرانا وائرس ہو‘ یہ وائرس سو سال سے ان لوگوں کے خون میں چلا آ رہا ہے۔جب نوول کرونا ان کے خون میں شامل ہوا تو اس نے پرانے وائرس کو طاقت ور بنا دیا اور یوں اٹلی کے ایک کروڑ 60 لاکھ لوگ بیمار ہو گئے‘ آخری اطلاعات تک حکومت نے شمالی اٹلی کے آدھے ریجن کو باقی ملک سے کاٹ دیا ہے‘ یہ علاقہ دنیا کا سب سے بڑا قرنطینہ بن چکا ہے‘ یورپ کے دوسرے ملکوں نے بھی اٹلی سے اپنی سرحدیں بند کر دی ہیں جس سے اٹلی کی معیشت مکمل طور پر تباہ ہو گئی‘ سیاحت اور سٹاک ایکس چینج کرونا کا سب سے بڑا ہدف ہیں۔سیاحت 1700 بلین ڈالر کے ساتھ دنیا کی سب سے بڑی انڈسٹری تھی۔یہ انڈسٹری دو ماہ میں زمین بوس ہو گئی‘ ائیر لائینز دیوالیہ ہو رہی ہیں‘ ائیر پورٹس پر سناٹا ہے‘ ہوٹل خالی پڑے ہیں اور میوزیمز اور پارکس میں ہو کا عالم ہے‘ تاریخ میں پہلی بار خانہ کعبہ اور مسجد نبوی تک خالی کرا لی گئی اور ویٹی کن میں بھی معمول کی عبادت بند کر دی گئی جب کہ سٹاک ایکس چینجز میں دنیا کی آدھی دولت پارک ہے‘ یہ بھی پارک سمیت اڑ گئی لہٰذا دنیا دیوالیہ پن کے دہانے تک پہنچ گئی‘ ارے لیجیے ہم ان اعدادوشمار کے چکر میں وکٹر کی کہانی بھول گئے‘ ہم وکٹر کی طرف واپس آتے ہیں۔میلان کے ڈاکٹروں نے عوام کا معائنہ شروع کیا تو پتا چلا وکٹر اپنے پورے گاؤں میں کرونا کا پہلا شکار تھا‘ یہ دو ماہ شدید بیمار رہا‘ اس کے خون میں اس وقت بھی کرونا کے وائرس موجود ہیں لیکن یہ اس کے باوجود موت سے بھی بچ گیا اور صحت یاب بھی ہو گیا‘ کیوں اور کیسے؟ ڈاکٹروں نے اسے سنٹرل ہسپتال میں شفٹ کیا اور اس کے انٹرویوز شروع کر دیے‘ یہ انٹرویوز ہفتہ بھر جاری رہے‘ ان انٹرویوز میں ملک کے تمام اہم وائرس ایکسپرٹس نے حصہ لیا‘ انٹرویو کی فائنڈنگ بڑی دلچسپ تھی۔وکٹر نے ایکسپرٹس کو بتایا ”میں کیوں کہ اخبارات نہیں پڑھتا تھا‘ ٹیلی ویژن نہیں دیکھتا تھا اور میں سوشل میڈیا پر بھی ایکٹو نہیں تھا چنانچہ مجھے پتا ہی نہیں چلا دنیا میں کرونا وائرس آ چکا ہے اور میں اس کا شکار ہو چکا ہوں لہٰذا میں اسے معمول کی کھانسی اور بخار سمجھتا رہا اور صحت یاب ہو گیا“‘ یہ انکشاف حیران کن تھا‘ ڈاکٹروں نے مزید تحقیق کی تو پتا چلا وہ تمام مریض جو ٹیلی ویژن نہیں دیکھتے تھے یا وہ سوشل میڈیا پر ایکٹو نہیں تھے وہ کرونا سے صاف بچ گئے۔وہ جلد صحت یاب ہو گئے جب کہ میڈیا کے ساتھ چمٹے رہنے والے لوگ کرونا کے جلد شکار بھی ہوئے اور ان میں فوتگی کی شرح بھی زیادہ تھی‘ یہ کرونا وائرس کی پہلی فائنڈنگ تھی‘ دوسری فائنڈنگ اس سے بھی زیادہ دلچسپ

تھی‘ دنیا میں اس وقت 103 ملک کرونا سے متاثر ہیں‘ ان میں سے 90 فیصد ملک ٹھنڈے ہیں جب کہ 10 فیصد گرم ملکوں میں کرونا ظاہر ہوا‘ ان ملکوں میں بھی مریضوں کی تعداد انتہائی کم ہے اور ہلاکت بھی کوئی نہیں ہوئی چناں پتا چلا یہ ٹھنڈے علاقوں کا وائرس ہے۔ یہ گرم علاقوں میں زیادہ دیر سروائیو نہیں کر سکتا‘ کرونا کے شکار گرم ملکوں کے بارے میں مزید تحقیق ہوئی تو معلوم ہوا گرم ملکوں کے مریض بھی یہ وائرس ٹھنڈے علاقوں سے لائے تھے اور بیماری صرف ان تک محدود رہی تھی‘ اس نے دوسرے لوگوں کو متاثر نہیں کیا مثلاً عراق‘ سعودی عرب اور پاکستان کے مریض ایران سے آئے تھے۔

یہ بھی پتا چلا کرونا بزرگوں کو زیادہ متاثر کرتا ہے‘ نوجوان‘ خواتین اور بچے اس سے محفوظ رہتے ہیں اور یہ بھی پتا چلا مارچ میں جوں جوں موسم گرم ہو رہا ہے کرونا کا وائرس بھی کم ہو رہا ہے چناں چہ میڈیکل سائنس دانوں کا خیال ہے کرونا 15 مارچ کے بعد مرنا شروع ہو جائے گا اور اپریل تک صورت حال کنٹرول میں آ جائے گی لیکن کرونا کے ختم ہونے سے پہلے پوری دنیا کا معاشی دیوالیہ نکل چکا ہو گا۔ بلوم برگ کے مطابق یہ وائرس گلوبل اکانومی کو 7.2 ٹریلین ڈالر کا نقصان پہنچا سکتا ہے‘ دنیا کی تمام بڑی سٹاک ایکس چینجز زمین بوس ہو جائیں گی‘ ائیر لائنز اور امپورٹ ایکسپورٹ کا بزنس ختم ہو چکا ہوگا اور پٹرول کی قیمتوں میں پچاس فیصد کمی آ چکی ہو گی چناں چہ کرونا ختم ہو یا نہ ہو لیکن سیاحتی‘ معاشرتی اور معاشی سرگرمیاں ضرور دم توڑ جائیں گی اور دنیا میں دیوالیہ لوگوں کی پوری کلاس پیدا ہو جائے گی اور یہ لوگ ’’کرونا‘‘ کہلائیں گے۔ ہم پاکستانیوں کو اس صورت حال میں کیا کرنا چاہیے‘ ہم اب اس طرف آتے ہیں‘ پہلی خوش خبری وزیر اعظم نے توقیر شاہ کو سیکرٹری صحت لگا دیا۔ یہ زبردست فیصلہ ہے‘ توقیر شاہ آٹھ سال میاں شہباز شریف کے پرنسپل سیکرٹری رہے ہیں‘ یہ پنجاب حکومت کی ریڑھ کی ہڈی تھے‘ ایمان دار اور کارآمد افسر ہیں‘ وزیر اعظم نے انہیں کرونا کنٹرول کی ذمہ داری دے کر بہت اچھا فیصلہ کیا‘ یہ ان شاء اللہ چند دن میں صورت حال کنٹرول کر لیں گے‘ دوسرا پاکستان میں کرونا کے دنیا میں سب سے کم مریض سامنے آئے ہیں چناں چہ ہم محفوظ ہیں۔ ہم 15 مارچ کے بعد مزید محفوظ ہو جائیں گے اور ان شاء اللہ اپریل کے پہلے ہفتے میں ہم خطرے سے مکمل باہر ہوں گے‘ تیسرا کرونا کی خوف ناک یلغار جب بھی ہوگی یہ اٹلی سے پاکستان پر ہو گی‘ اٹلی بالخصوص میلان میں ہزاروں پاکستانی خاندان ہیں‘ میری ان سے درخواست ہے یہ اگر واقعی اپنے خاندان اور ملک سے محبت کرتے ہیں تو یہ اپریل تک خود بھی پاکستان نہ آئیں اور اپنے کسی عزیز اور رشتے دار کو بھی نہ بجھوائیں‘ یہ ان کا احسان عظیم ہوگا۔

چوتھا آپ احتیاط ضرور کریں لیکن پینک نہ ہوں‘ پاکستان مکمل طور پر محفوظ ہے‘ آپ اگر گرم ملکوں میں سفر کرنا چاہتے ہیں تو آپ ضرور کریں لیکن پہلے خود کو چیک کر لیں‘ آپ کو اگر نزلہ‘ زکام یا شدید بخار ہے تو آپ اپنا ٹیسٹ کرا لیں‘ آپ اگر کرونا سے محفوظ ہیں تو آپ سفر پر روانہ ہو جائیں ورنہ گھر سے باہر نہ نکلیں‘ پانچ سوشل میڈیا سے دور رہیں‘ سوشل میڈیا کی نوے فیصد خبریں جعلی ہیں‘ ٹیلی ویژن بھی ضرورت سے زیادہ خوف پھیلا رہا ہے۔ آپ یقین کریں آپ اگر چند دن کیلئے فیس بک‘ ٹویٹر اور واٹس ایپ بند کر دیں گے تو آپ وکٹر ثابت ہوں گے‘ آپ سکھی ہو جائیں گے اور آپ اگر بیمار بھی ہوئے تو آپ جلد صحت یاب ہو جائیں گے ورنہ آپ دوسری صورت میں ٹیلی ویژن اور سوشل میڈیا دیکھ دیکھ کر کرونا کے بغیر ہی مر جائیں گے‘ کیوں؟ کیوں کہ موجودہ حالات میں ٹیلی ویژن اور سوشل میڈیا کرونا سے زیادہ خطرناک ثابت ہو رہا ہے چناں چہ آپ سوشل میڈیا بند کر دیں‘ اس سے پہلے کہ آپ فوت ہو جائیں‘ سوشل میڈیا کا رونا کرونا سے زیادہ خوف ناک اور مہلک ثابت ہو رہا ہے‘ باقی آپ خود سمجھ دار ہیں۔

نذیؔر بنارسی

عمر بھر کی بات بگڑی اک ذرا سی بات میں
ایک لمحہ زندگی بھر کی کمائی کھا گی
وہ آئنہ ہوں جو کبھی کمرے میں سجا تھا
اب گر کے جو ٹوٹا ہوں تو رستے میں پڑا ہوں
مری عنایتیں غضب کی یہ بلا کی مہربانی
ری خیریت بھی پوچھی کسی اور کی زبانی
ہوئے مجھ سے جس گھڑی تم جدا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
مری ہر نظر تھی اک التجا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
اور تو کچھ نہ ہوا پی کے بہک جانے سے
بات مے خانے کی باہر گئی مے خانے سے
تمہیں نے دل کے اندھیرے کو دی ضیائے امید
تمہیں غریب کے گھر کا دیا بجھا کے چلے
ہمیں تو اس لب نازک کو دینی تھی زحمت
اگر نہ بات بڑھاتے تو اور کیا کرتے
شاید کہ نذیؔر اٹھ چکا اب دل کا جنازہ
اب سانس کے پردوں میں وہ کہرام نہیں ہے

فحاشی کا مرکز!! ایک ــــ جائزہ

میرے سامنے ریپ کے حوالے سے ٹاپ 10 ملکوں کی فہرست موجود ہے۔جس میں دسویں نمبر پر ملک ایتھوپیا ہے جہاں کی ساٹھ فیصد خواتین کو سیکسوئیل وائلنس کا سامنا کرنا پڑااور ہر سترہ میں سے ایک خاتون ریپ کا شکار ہوئی۔یادرہے کہ یہ کوئی مسلمان ملک نہیں بلکہ ایک عیسائی ملک ہے۔ریپ کے حوالے سے ہی نوواں بڑا ملک سری لنکا ہے۔یہ بھی مسلم ملک نہیں۔خواتین سے بدسلوکی اور بے حرمتی کے حوالے سے فہرست میں آٹھواں بڑا ملک کینیڈا ہے۔ جہاں 2,516,918 ریپ کیسز دو ہزار ایک سے اب تک رجسٹرڈ ہوئے ہیں اور مزے کی بات یہ کہ وہاں کے سرکاری محکموں کا یہ ماننا کہ یہ رجسٹرڈ کیسز ٹوٹل کا چھ فیصد بھی نہیں۔!یادرہے کینیڈا بھی مسلم ملک نہیں بلکہ ایک لبرل اور آزادی پسند ملک ہے۔ساتواں نمبر فحاشی وعریانی جسے یارلوگ آزادی اور حقوق بھی کہتے ہیں میں سرفہرست ملک فرانس کا ہے۔کیا آپ جانتے ہیں کہ 1980ء سے پہلے تک تو یہاں ریپ کوئی جرم سمجھا ہی نہیں جاتا تھا۔اس کے سدباب کا کوئی قانون سے ہی موجود نہیں تھا۔عورت پر جنسی اور جسمانی تشدد پہ قانون بنایا ہی 1992ء کے بعد گیا...!!فرانس جیسے لبرل ملک میں سالانہ 75000 ریپ کیسز رجسٹرڈ کئے جاتے ہیں! چھٹے پر ٹیکنالوجی کے بادشاہ جرمنی کا نمبر آتا ہے جہاں اب تک 6505468 کیسز رجسٹرڈ ہو چکے ہیں یادرہے ان میں سے 240000 سے زیادہ متاثرہ خواتین خودکشی وتشدد سے اپنی جان سے ہاتھ دھوبیٹھی ہیں۔ٹیکنالوجی میں تیزی سے ترقی کرتے اس ملک میں انسانیت اتنی ہی تیزی سے ختم ہوتی جارہی ہے۔پانچواں نمبر انگلینڈ کا ہے جہاں ہر 16 سے 56 سال کی عمر کی ہر پانچ میں سے ایک عورت کو جنسی تشدد کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

سالانہ چار لاکھ خواتین انگلینڈ میں اپنا وقار کھوبیٹھتی ہیں۔چوتھے نمبر پر مشہور ملک ریپستان مطلب ہندوستان آتا ہے،جہاں ہر بائیس منٹ بعد ریپ کا ایک کیس رجسٹرڈ کیا جاتا ہے۔یادرہے اعدادوشمار کے ماہرین کے نزدیک یہ تعداد اصل تعداد کا دس فیصد بھی نہیں کیوں کہ پسماندگی کی وجہ سے نوے فیصد خواتین رپورٹ درج نہیں کرواتیں۔تیسرے نمبر پہ سویڈن آتا ہے جہاں ہر چار میں سے ایک عورت ریپ اور ہر دو میں سے ایک عورت سیکسوئیل ہراسمنٹ کا شکار ہوتی ہے۔دوسرے نمبر پہ ساوتھ افریقہ آتا ہے جہاں بلحاظ آبادی سالانہ 65000 سے زائد کیسز رجسٹرڈ کئے جاتے ہیں۔ساوتھ افریقہ بیبی اینڈ چائلڈ ریپ اور ہراسمنٹ کے حوالے سے بھی دنیا میں بدنام ترین ملک جانا جاتا ہے۔اور آخر میں پہلے نمبر پہ ہے مہذب ترین ملک امریکہ مہذب اور روشن خیال ملک ہونے کی وجہ سے یہاں کے کیسز بھی کافی عجیب وغریب واقع ہوتے ہیں... یہاں ہر چھ میں سے ایک عورت تو ریپ کا لازمی شکار ہوئی ہے پر ہر 33 میں سے ایک مرد بھی عورتوں کے ہاتھوں ریپ کا شکار ہوا ہے...19.3 فیصدی عورتیں اور 8.3 فیصد امریکی مرد زندگی میں کم ازکم ایک دفعہ ریپ کا لازمی شکار ہوئے اوپر موجود تمام اعداد وشمار ایک ویب سائٹ سے لئے گئے باقی ویب سائٹ بھی دیکھیں ان میں بھی ٹاپ ٹین کنٹریز یہی ہیں بس ترتیب آگے پیچھے ہے...ان سب ملکوں میں آپکو کسی مسلم ملک کا نام نظر نہیں آئے گا...اگر آپ تیزاب گردی کے حوالے سے سرچ کریں تو بھی یہی ملک آپ کو سب سے زیادہ متاثرہ نظر آئیں گے...جی یہی وہ ممالک جنہیں ہمارا میڈیا جنت بریں ثابت کرنا چاہتا ہے...جن کی ہمارے ہاں موجود لبرل باندر مثالیں دیتے ہیں... افسوس کہ ہزاروں مختاراں مائیوں پہ مشتمل امریکہ اور دوسرے ان ممالک میں کوئی این جی اوز نہیں یہاں کسی شرمین عبید چنائی کو گھاس نہیں ڈالی جاتی.. یہاں کی کوئی این جی او اس بدترین کام پہ اپنے سسٹم پہ نوحہ کناں نظر نہیں آتی...اور مزے کی بات ہے کہ ان ممالک میں کسی ملا مدرسے کا ہولڈ نہیں...عورتوں کے حقوق نہیں دبائے جاتے ہاں عورتوں کے ریپ وہ بخوشی کر دیتے ہیں... چند سال پہلے کہیں پڑھا تھا کہ آزادی نسواں درحقیقت عورت تک پہنچنے کی کوشش کا نام ہے...ابھی جب اعداد شمار دیکھے تو اس بات پہ یقین ہوا کہ واقعی ہی آزادی کے نام پہ اس مہذب معاشرے نے عورت کو ٹشو پیپر کی طرح استعمال کیا... اس سے گھر چھینا، تقدس چھینا، عزت چھینی، برابری کے نام پر مشقت کرائی گئی، برینڈ بنا کر بیچا گیا... بازاروں میں نیلام کیا گیا عورت کی آزادی کے نام پر جنس و پیسے کے ان پیاسوں نے اسے خوب بیوقوف بنایا۔

بارہ سے تیرہ سال کی بچیاں بھی ان ہوس کے پجاریوں سے محفوظ نہ رہ سکیں...سال میں ایک کیس پاکستان سے لیکر رونا پیٹنا کرنے والی یہ منحوس مائیاں کیا بارہ بارہ سال کی ان امریکی بچیوں کے بارے میں جانتی بھی ہیں جو کہ کم عمری میں ہی مائیں بن گئیں؟ پاکستان بھی ان ممالک کی فہرست میں آنا چاہتا ہے،پچھلے دنوں اسلام آباد کی سڑکوں پر پلے کارڈ آٹھائی آزادی کا نعرہ بلند کرتے ہوئے جن پر تحریر تھا۔

میرا جسم۔میری مرضی۔یہ وہ خواتین ہیں۔

جو پاکستان میں آزادی کے نام پر عورتوں کو ذلیل وخوار کروانے والی ہیں میرے خیال میں عورت کی آزادی کے نام پر جنس کا کاروبار چلانے والے صحافیوں اور کوٹھے چلانے والی ان سو کالڈ لبرل نائیکاؤں کو ڈرموں میں ڈال کر امریکہ ویورپ کی ان جعلی جنتوں میں بھیج دینا چاہئے...کہ حقوق توفی الحال وہاں کی مظلوم عورتوں کو چاہئے... یہاں تو عورتیں محفوظ ہیں۔

آل بلوچستان کرونا وائرس اور منفی پروپیگنڈے

تحریر۔زریاب خان

کل سے میری نظر کے سامنے ایسی بے شمار پوسٹیں گزری جو بلوچستان سے دوران ہوشیار لوگوں نے پوسٹ کی ہیں جن کو یہ بھی نہیں پتہ کہ بلوچستان کوئٹہ کیلئے کونسا راستہ جاتا ہے؟ انہیں بلوچستان کی آب و ہوا کا نہیں پتا؟ انہیں بلوچستان میں آباد قوموں کی مہمان نوازی، غیرت مندی کا نہیں پتہ، انہیں یہ بھی نہیں معلوم کہ کوئٹہ پاکستان کا حصہ ہے بھی یا نہیں اگر ہے تو کس صوبے کا دارالخلافہ ہے۔اردو پوائنٹ میں اکثر ایسے ویڈیو موجود ہے جن میں پنجاب یا سندھ کے رہنے والوں کو بلوچستان صوبے کا سرے سے پتہ ہی نہیں کہ وہ ہے کہاں۔اچھا تو میں بات کر رہا تھا پوسٹ کی حوالے سے، جی ہاں ان ہوشیار لوگوں کے پوسٹوں میں بلوچستان کے باسیوں کو تعصبی، ذہنی غلام حسدی جیسے غلیظ القابات سے تشبیہ دیا گیا تھا، تو مجھے بڑا دکھ ہوا کہ وہ بلوچستان جس میں رہنے والا پشتون و بلوچ سخاوت میں اتنا آگے کہ حاتم طائی بھی ہار مان لے۔ غیرت اور حیا کے اتنے شوقین کہ یاد صحابہ تازہ ہوجائے، مہمان نوازی میں اتنے پرخلوص کہ مہمان خود ہی اعتراف کرے۔لیکن ان بیوقوف لوگوں کی پوسٹوں کی تہہ تک جانا بھی ضروری تھا۔کمنٹس دیکھے تو پتہ چلا کہ ہمارے سوشل میڈیا ٹیم کے چند بلاگرز جنہوں نے زائرین کی کوئٹہ آمدرات کے اندھیرے میں، کا معاملہ سوشل میڈیا پر ہائی لائٹ کیا تو ان کو شاہد ناگوار گزری۔ان کے چھوٹے ذہنوں میں شاہد کوئی اور بات ٹھونسی گئی۔اہل بلوچستان میں مختلف رنگ و نسل کے لوگ رہتے ہے۔کسی کو بھی ان زائرین کی کوئٹہ آمد یا اسٹے پر اعتراض نہیں تھا۔حالیہ کرونا کی خوف سے اہل بلوچستان کو بچانا ہماری ترجیحات میں شامل ہے کہ رات کے اندھیرے میں ود آؤٹ میڈیا کے عام وارڈو میں کرونا کے مریضوں کو ایڈمٹ کرنا کسی سازش کا پیش خیمہ تو نہیں؟ اہل بلوچستان کے پچانوے فی صد آبادی اب تک صاف پینے کے پانی سے محروم ہے۔نناوے فی صد صحت کی بنیادی سہولیات سے محروم ہیں۔تعلیم گیس، بجلی غرض آپ کے لاہور و کراچی کی سہولیات یہاں بالکل ناپید ہے۔

صوبے کے بڑے ہسپتال بی ایم سی اور سول ہسپتال مصائب کی آماجگاہ ہے۔فاطمہ جیسٹ ہاسپٹل کوئٹہ کے چالیس فی صد لوگوں کو معلوم ہی نہیں کہ کس طرف ہے۔اور پرائیوٹ ہاسپٹل کا یہ حال ہے کہ آرنیا کے نام پر گڈنی بنا بتائے نکالی جاتی۔پھر کیس کرتے وقت دھمکی الگ سے ملتی ہے۔تو ان ناگفتہ حالات میں جہاں عام بلوچستانی کو نزلہ زکام کے علاج کے حصول میں مشکلات درپیش ہوں وہاں کرونا جیسے خطرناک مریضوں کا رکھنا ظلم و زیادتی ہیں۔ہم بلوچستانی یہ باتیں کسی تعصب یا نفرت کی بنیاد پر نہیں کرتے۔کیونکہ پنجاب اور سندھ کے ہزاروں رہائشی اب بھی کوئٹہ میں مستقل سکونت اختیار کیے ہوئے ہیں۔وہ بھی اس معاملے پر ہماری آواز میں آواز ملائیں گے اور زائرین کے آنے جانے پر ہمیں بھلا کیا اعتراض ان کی مذہب، فرقہ پر ہمیں کوئی تعجب یا اعتراض نہیں۔لیکن گورنمنٹ سے گلہ یہ ہے کہ ہماری صحت اتنی ہی قیمتی ہے جتنی باقی صوبوں کے رہائشیوں کے۔ہم مزید ڈر جاتے ہیں کہ جب ہم اپنے بچوں، بزرگوں کی زندگی کا سوال کرتے ہیں تو ہم پر تعصبی، فرقہ واریت یا حسدی کے ٹھپے لگنا شروع ہوجاتے ہے۔کیا آپ لوگوں نے کبھی ہمارے دیگر مسائل پر لب کشائی کی ہے؟ نہیں بالکل بھی نہیں۔تو اب ہمارے مسئلے پر بھی ہم تمہیں ہرگز اجازت نہیں دے سکتے۔حکومت وقت سے درخواست ہے کہ زائرین پر فی الفور پابندی عائد کیجائے اور جو لوگ کوئٹہ میں ہیں انہیں اپنے آبائی علاقوں کو شفٹ کیا جائے۔

اللہ ہم سب کا ناصر ہو بقلم خود زریاب

عرش صدیقی صاحب

پیشکش:اعجاز یڈاچ

آج 8اپریل، افسانہ نگار، نقاد اور ممتاز و معروف شاعر''عرش صدیقی صاحب'' کا یوم وفات۔نام ارشادالرحمن اور تخلص عرش تھا۔۱۲ جنوری ۱۹۲۷ء کو گورداسپور (مشرقی پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ ایم اے (انگریزی) گورنمنٹ کالج، لاہور سے کیا۔ پی ایچ ڈی ورلڈ یونیورسٹی اری زونا (امریکہ) سے کیا۔ پروفیسر شعبہ انگریزی گورنمنٹ کالج ملتان، چیئرمین پروفیسر شعبہ انگریزی بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان اور رجسٹرار بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان کے عہدوں پر فائز رہے۔ ۱۸اپریل ۱۹۹۷ء کو ملتان میں انتقال کرگئے۔شاعری کے علاوہ افسانہ اور تنقید بھی لکھتے تھے۔ان کی تصانیف کے چند نام یہ ہیں۔'دیدہ یعقوب'،'محبت لفظ تھا میرا'،'ہر موج ہوا تیز'(شعری مجموعے)،'باہر کفن سے پاؤں' (افسانے) پر آدم جی ایوارڈ ملا۔'تکوین'، 'محاکمات'،'شعور'،'سائنسی شعور اور ہم'(تنقید)۔

(بحوالہ۔پیمانہ غزل (جلد دوم)،محمد شمس الحق،صفحہ:200)

سگِ ساقی فاروقی کی وفات پر
مشفق خواجہ کا تعزیت نامہ

بھائی ساقی فاروقی

اسد محمد خان نے لندن سے واپس آتے ہی فون پر یہ اندوہناک اطلاع دی کہ تمھارا چہیتا کتا داغِ مفارقت دے گیا ہے اور تم اس غم میں اتنے نڈھال ہو کہ ہر وقت اٹوائی کھٹوائی لئے پڑے رہتے ہو، آنے والوں کی تواضع کرنا تو کیا تم کسی سے سیدھے منہ بات بھی نہیں کرتے۔ خیر یہ عادت تو تمھاری پہلے بھی تھی، اب اس سانحے کو اس عادت کا معقول جواز سمجھنا چاہیے۔ تاہم ایسا بھی کیا کہ تم اپنی جان کو روگ لگالو۔ مانا کہ آنجہانی تمھارا ہمدم و دمساز تھا، برسوں سے تمھارا ہر وقت کا ساتھی تھا، لیکن یہ کیوں بھولتے ہو کہ جو دنیا میں آتا ہے اسے ایک نہ ایک دن یہاں سے جانا بھی ہوتا ہے۔ جانے والے کے غم میں اپنی جان ہلکان نہ کرو۔ شخصیت تو پہلے ہی مسخ ہو چکی ہے کیونکہ وہ عزیز تمھاری شخصیت کا جزو لاینفک تھا، معلوم نہیں تم اس کے بغیر کیسے لگتے ہو؟ لوگوں کو پہچاننے میں دقت تو نہیں ہوتی؟ مجھے معلوم ہے اخفش کی بکری کی طرح تمھارے کتے کی سخن فہمی بھی بے مثال تھی۔

وہ تمھاری ہر نظم کا پہلا سامع ہوتا تھا۔ تم جب تک اسے اپنا کلام سنا کر داد نہیں لے لیتے تھے، اس وقت تک تم کسی دوسرے کو شایانِ سماعت نہیں سمجھتے تھے۔ بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ تم شاعری میں ن م راشد سے متاثر ہو۔ یہ محض بہتان ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تم صرف اور صرف آنجہانی سے متاثر تھے۔ اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ جب سے تم نے شاعری شروع کی ہے، شاعری اور کتے خسی میں کوئی فرق نہیں رہا۔ عزیزم موصوف سے تعلق خاطر کی بنا پر تمھی کو گونا گوں فائدے نہیں پہنچے، بلکہ وہ عزیز بھی خاصے فائدے میں رہا۔ اول اول وہ سخن فہم تھا، بعد میں سخن ور بھی ہو گیا۔ سنا ہے کہ وہ بھونکتا بھی تھا تو عروضی حدود کے اندر۔ اسے بحر رمل مثمن مخبون بہت پسند تھی اور یہ تمھاری بھی پسندیدہ بحر۔ تمھارا کلام اسی بحر میں غرق ہوا ہے اور یہ دلیل ہے اس کی کہ تم دونوں ایک دوسرے سے کس حد تک متاثر تھے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ تمھاری اکثر نظمیں اسی جواں مرگ کی فرمایشوں کا نتیجہ ہیں۔ خصوصاً وہ تمام نظمیں جو تم نے انواع و اقسام کے جانوروں پر لکھی ہیں۔ ان میں وہ نظم بھی شامل ہے جس کا عنوان ’ایک کتا نظم‘ ہے۔ سنا ہے تم نے اس قسم کی نظموں کا پورا ایک دیوان مرتب کر لیا ہے جو ایک کتا دیوان کے نام سے چھپنے والا ہے۔ گویا اب تم اپنی عام زندگی کی طرح شاعری میں بھی کتے چھڑواؤ گے۔ اس کتے چھڑوانے پر خواجہ حیدر علی آتش کا ایک شعر یاد آ گیا ہے۔ تم بھی سن لو اس ترک نے جو کی ہیں صحرا میں چار آنکھیں جھنجلا کے کیا ہی کتے چھڑوائے ہیں ہرن پر مجھے کتوں سے کبھی دل چسپی نہیں رہی۔ اگر ہوتی تو میں بڑے فخر سے اپنے آپ کو خواجہ سگ پرست کہلوانا پسند کرتا۔ تاہم اب بھی کسی حد تک اس لقب کا مستحق ہوں کیونکہ بعض سگانِ دنیا سے دوستی اور محبت کا تعلق رکھتا ہوں۔

بہر حال تمھارے کتے کی موت کا افسوس ہے کہ یہ کتے ہی کی موت مر گیا۔ اگر سگِ دنیا ہوتا تو کسی بڑے عہدے پر فائز ہو کر اپنا اور تمھارا نام روشن کرتا۔ مجھے تاریخ گوئی سے کبھی دل چسپی نہیں رہی۔ لیکن تمھارے کتے کی موت میرے حق میں سگ گزیدگی کی صورت میں ظاہر ہوئی ہے۔ یعنی میں تاریخ گو بن گیا ہوں۔ پہل ایک مادہ تاریخ سنو! سگِ ساقی نواز حسبِ ضرورت (حسبِ ضرورت کی داد چاہتا ہوں) قطعہء تاریخ یہ ہے۔

کون عف عف کرے گا سن کے کلام　　اک سخن فہم خوش دہاں نہ رہا
کہی دندانِ سگ سے یہ تاریخ　　نظمِ ساقی کا قدر داں نہ رہا

آخری مصرع کے عدد 1852 ہیں۔ ان میں ’’دندان سگ‘‘ کے عدد (189) جمع کر دو، 1991 برآمد ہوگا۔ سنا ہے تم نے خاصی رقم خرچ کر کے لندن میں کتوں کے قبرستان میں عزیز موصوف کو منوں مٹی کے نیچے دفن کرایا ہے۔ مذکورہ قطعہ تاریخ قبر پر لکھوا دو تا کہ معلوم ہو کہ تمھاری شاعری کے واحد قدردان کی دُم موئے پر بھی ٹیڑھی ہے۔ قبر پر کتا گھاس ضرور لگوانا۔ یہ ایک خاص قسم کی گھاس ہوتی ہے جو آدمی کے کپڑوں سے چمٹ جاتی ہے۔ قبر پر آنیوالے عقیدت مندوں کے لیے یہ ایک بیش بہا تحفہ ہوگی۔ یہ وہی کتا گھاس ہے جس کا ذکر استاد ذوق نے اس شعر میں کیا ہے۔

(ساقی فاروقی کے نام ہم عصروں کے خطوط)

افسانچے۔ محمد نعیم یاد، جوہر آباد

روشنی کا سایہ: اس کے باپ نے بہت محنت کی۔ گلیوں کی خاک چھان کر پکوڑے بیچتا اور اس کو پڑھانے کی کوشش کرتا رہا۔ پھر کیا ہوا اُسے؟ بالآخر اس کی محنت رنگ لائی اور اس کا بیٹا پڑھ لکھ کر برسر روزگار ہو گیا۔ اس نے باپ کو گلیوں میں جا کر پکوڑے بیچنے سے منع کر دیا۔ واہ! محنت کا پھل ضرور ملتا ہے نیک اولاد ماں باپ کو ایسے ہی کہتی ہے۔ ہاں اس نے باپ کو چوک پہ کرائے کی ایک دکان لے کے دی ہے اب وہ اس دکان میں بیٹھ کے پکوڑے بیچ کر اپنی اور بیوی کا پیٹ پالتا ہے۔ ***

تانگے والا خیر منگدا

وقار احمد ملک

تانگے کو فوت ہوئے دو دہائیاں ہونے کو ہیں۔ بچوں کے سامنے جب تانگے کا نام لیا جاتا ہے تو وہ حیرت زدہ ہو کر اس کی تفصیلات طلب کرنا شروع کر دیتے ہیں کیونکہ انہوں نے تانگہ صرف تصویروں کی حد تک ہی دیکھا ہوا ہے۔ تانگہ کئی صدیاں انسان کی مختصر فاصلوں کی سفری ضروریات پوری کرتا رہا۔ اکیسویں صدی نے جیسے ہی کروٹ بدلی تانگے کی جگہ بھڑوں کی ملکہ چنگ چی نے لے لی۔ اس تبدیلی کے ساتھ ہی زندگی سے ہمارا فاصلہ ایک قدم اور بڑھ گیا۔ اب کے ہم نے گھوڑوں سے دوری اختیار کر لی تھی۔ ہمیں کیا خبر تھی کہ ایک اور دہائی گزرنے کے بعد چنگ چی کا ایک عدد اور بھائی بھی پیدا ہونے والا ہے جس کا نام لوڈر ہو گا۔ اور یہ بھائی جان انسان اور حیوان کے درمیان فاصلوں کی دیوار میں اور اضافہ کر دے گا۔ مزید لدو جانوروں یعنی اونٹ، خچر اور گدھوں کو بھی دھیرے دھیرے انسان اپنی دنیا سے دور کر دے گا۔ تانگے کی بات ہو رہی تھی جو کسی دور میں ہر گاؤں اور ہر شہر کی ضرورت کا باعث ہوا کرتا تھا۔ ریل کی چھک چھک جیسے اس کا ٹک ٹک ٹک کی آواز کے ساتھ چلنا ایک رومانوی کیفیت تخلیق کر دیا کرتا تھا۔ شہر کی کالی کالی سڑکیں ہوں یا گاؤں کے کچے پکے راستے تانگوں کا چلن ہر جا اپنا ماحول بنائے رکھتا۔ شہروں میں تانگوں کے باقاعدہ اڈے ہوا کرتے تھے جہاں گھوڑوں کی ضروریات کے مد نظر ان کے پانی پینے کے لیئے ناند بنائے جاتے، چھاؤں کا بندوبست کیا جاتا، گھاس رکھنے اور کھانے کے لیئے جگہیں بنائی جاتیں۔ گرمیوں کی لمبی دوپہریں ہوتیں یا سردیوں کی سرد شامیں کوچوانوں کے یہ ڈیرے ہمہ وقت آباد رہتے۔ شعر و ادب اور موسیقی بھی تانگے اور یکے کے سحر سے نہ بچ سکی۔ منٹو کا مشہور افسانہ نیا قانون ایک کوچوان منگو کے دلچسپ کردار کے گرد گھومتا ہے۔ یکے والی فلم میں مسرت نذیر نے تانگہ چلا کر لافانی شہرت حاصل کی تو مسعود رانا کے گیت ''تانگے والا خیر منگدا'' نے گلوکار کا ڈنکا گلی گلی میں بجا دیا۔ قاسمی اور اے حمید کے افسانوں میں بھی تانگے اور کوچوانوں کے تذکرے عام ملتے ہیں۔ لاہور میں بھاٹی گیٹ کے قریب تانگے کو اچانک بریکیں لگ گئیں تو عبدالحمید عدم جو تانگے پر سوار تھے نیچے اُتر آئے۔ کوچوان نے لاکھ کوشش کی لیکن گھوڑا ایک قدم بھی آگے بڑھنے پر آمادہ نہ تھا۔ عدم نے اپنی بوتل نکالی اور گھوڑے کے منہ سے لگا دی۔ گھوڑے نے انگور کی بیٹی کے دو گھونٹ ہی پیے ہوں گے کہ سرپٹ دوڑنا شروع کر دیا۔ دوسرے شہروں کی طرح لاہور میں بھی ایک زمانے تک تانگوں اور گھوڑوں کا راج رہا۔ ایک دور تھا جب مال روڈ، میکلوڈ روڈ اور ریلوے سٹیشن پر تانگوں کی حکمرانی ہوا کرتی تھی۔ بول چال اور ادب میں بھی تانگوں کے متعلق الفاظ زبان زد خاص و عام ہوا کرتے تھے۔ بمب، پائیدان، ساز، نعل، گھنگرو اور زین جیسے خوبصورت الفاظ بھی اب قصہ پارینہ بن گئے ہیں۔ مغلوں کے دور میں شاہی بگھیوں کا رواج ہوا کرتا تھا۔ جبکہ قدیم یونانی دیومالاؤں میں رَتھ کا ذکر ملتا ہے جس کے شکل بھی تانگوں سے ملتی جلتی ہوا کرتی تھی۔ رَتھ جنگ میں استعمال کی جاتی تھی۔

میرے شہر میانوالی میں بھی تانگے ہر گلی، بازار میں چلتے پھرتے دکھائی دیا کرتے تھے۔ ریلوے سٹیشن کے شمال کی طرف تانگوں کا پرانا سٹینڈ ہوا کرتا تھا۔ بلوخیل روڈ، گرو بازار، گورنمنٹ سکول روڈ اور کچہری بازار تانگوں کی خاص گزرگاہیں ہوا کرتی تھیں۔ کالجوں اور سکولوں میں جانے کے لیے بھی تانگے ہی لگوائے جاتے تھے۔ گرلز سکولوں اور کالج کے باہر چھٹی کے وقت تانگوں کی لمبی قطاریں موجود ہوا کرتی تھیں۔ جب کبھی تانگے کا ساز بجتا، گھنٹی کی آواز آتی جس کو کوچوان پاؤں سے بجایا کرتا یا گھوڑے کے ٹاپوں کا خاموش شور بلند ہوتا تو پورے ماحول میں ایک طلسم طاری ہو جاتا۔ اس وقت شاید کسی نے بھی نہ سوچا ہوگا کہ یہ سب ایک دم ختم ہو جائے گا۔ تانگہ گھوڑے سمیت ہمیشہ کے لیئے ہماری زندگیوں سے نکل جائے گا۔ تانگے گھوڑے کی یہ کہانی ایسے ختم ہوئی کہ اب ہمارے بچے پوچھتے ہیں کہ پاپا یہ تانگہ کیا ہوتا ہے؟

افسانچے - محمد نعیم یاد، جوہر آباد

وقت کی آواز: اس نے جونہی کمرے کا دروازہ کھولا میں ششدر رہ گیا۔ کمرہ رنگ برنگے کھلونوں سے بھرا ہوا تھا۔ میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا وہ سمجھ گیا کہ میری آنکھیں کون سا سوال کر رہی تھیں۔ جانتے ہو میں زندگی بھر کھلونوں سے محروم رہا۔ میں نے پوری زندگی خوب محنت کی حتیٰ کہ ایک وقت ایسا آیا کہ میں اپنی پسند کے تمام کھلونے خرید سکتا تھا اور میں نے خریدے اور یہاں سجا دیئے مگر۔ مگر کیا؟ مگر اس وقت تک میں کھلونوں کے ساتھ کھیلنے کی عمر سے آگے نکل چکا تھا۔

***

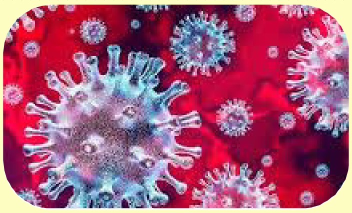

اور امریکہ جنگ جیت گیا !!!

ابن لطیف

روس دنیا کا سرد ترین ملک مگر وہاں کرونا وائرس نہیں۔ترکی بھی سرد ملک ہے اور ایران کا پڑوسی مگر وہاں کرونا نہیں۔ افغانستان ایران کا پڑوسی مگر وہاں کرونا نہیں۔دبئ ایران کا قریبی ملک مگر وہاں کرونا نہیں۔عرب کے دیگر ممالک میں کرونا وائرس سے کسی کے مرنے کی خبر نہیں۔ یہ کرونا وائرس امریکہ، اسرائیل اور برطانیہ کو چھوڑ کر آخر یورپی یونین اور اس کے ممالک چین، اٹلی، اسپین اور ایران و پاکستان میں کیسے پہنچ آیا۔؟ان ممالک میں کرونا وائرس کیوں آیا اس کے پیچھے جو سازش اور خفیہ منصوبہ ہے وہ آپ کی آنکھوں کو حیرت سے کھول دے گا۔چین اس وقت دنیا کا معاشی ریچھ بنتا جا رہا تھا اور امریکہ نے متعدد بار چین کو روکنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔امریکہ اس پوزیشن میں بھی نہیں تھا کہ وہ چین سے جنگ کر سکے لہٰذا اس نے افغانستان سے نکلتے ہی دنیا کی توجہ کرونا وائرس کی طرف کرا دی۔طالبان سے امن معائدہ ہونے کی دیر تھی کہ چین میں کرونا وائرس کی خبر دنیا بھر میں پھیل گئی۔چین کو معاشی سپر پاور بننے سے روکنا تھا اور اس کام کے لیے امریکہ اکیلا کافی نہیں تھا۔امریکہ نے چین کی معیشت کو کنگال کرنے کے لیے اپنے ساتھ برطانیہ اور اسرائیل کو ساتھ ملا لیا۔طے شدہ پلان کے مطابق کرونا وائرس کو چین کے شہر ''ووہان'' میں دو ماہ قبل ملٹری مشقوں کے دوران چھوڑا گیا۔امریکی فوج کے واپس جاتے ہی ووہان شہر میں کرونا وائرس کی وبا نے سر اٹھا لیا۔شروع میں چینی حکام کو اس بات کی سمجھ نہ آئی کہ وائرس آخر پھیلا کہاں سے۔وائرس سے متعلق چین نے خبروں کو روکنے کی کوشش کی مگر بات اس وقت تک اس کی پہنچ سے بہت دور نکل چکی تھی اور یہ معاملہ امریکہ کے زیر اثر میڈیا نے دنیا بھر میں اچھال دیا۔امریکہ کا پہلا نشانہ کامیاب ہوا اور وائرس نے چین اور چینیوں کو دنیا بھر میں مشکوک اور اچھوت بنا ڈالا۔وائرس چین سے نکل کر اٹلی، اسپین، فرانس، جرمنی، ایران تک جا پہنچا۔جب ان ممالک میں ہلاکتوں کی خبریں آنا شروع ہوئی تو امریکہ نے آئی ایم ایف، ورلڈ بنک، عالمی ادارہ صحت کے سربراہان کو خفیہ پیغامات کے ذریعے ان ممالک کو امداد دینے کے اعلانات کرنے کا کہا۔برطانیہ نے بھی امداد کا اعلان کر دیا اور امداد کا اعلان سنتے ہی وہ ممالک بھی متاثر ہونا شروع ہو گئے جہاں ایک بھی کیس رجسٹرڈ نہ ہوا۔برطانیہ کے یورپی یونین سے نکلتے ہی امریکہ نے اس کیطرف ہاتھ بڑھایا اور کہا کہ مل کر دنیا پر حکومت کرتے ہیں۔ برطانیہ سے تعلقات کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ امریکہ نے یورپی یونین کے افراد پر بھی امریکہ میں داخلے پر پابندی عائد کر دی جبکہ برطانیہ سے کہا کہ اس کے شہری امریکہ آ سکتے ہیں۔

2019 کے آخر تک اعداد و شمار کے مطابق چین دنیا کے 124 ممالک کے ساتھ تجارتی طور پر منسلک ہو چکا تھا اور اس کی بنائی ہوئی چیزیں ان 124 ممالک تک پہنچ رہی تھیں جبکہ 2019 کے آخر میں امریکہ کا تجارتی رابطہ صرف 56 ممالک تک محدود تھا۔

امریکہ بلیک فرائیڈے اور سائبر منڈے کے نام پر شاپنگ کی مد میں ایک دن میں 8.5 بلین ڈالر کما رہا تھا جبکہ چین صرف ایک دن میں 14.3 بلین ڈالرز مالیت کی اشیا فروخت کر دیتا تھا اور چین کی یہی ترقی امریکہ کے پیٹ میں مسلسل مروڑ پیدا کر رہی تھی۔چین کی راہ روکنے کے یے امریکہ، برطانیہ اور اسرائیل دنیا کا معاشی سپر پاور بننے کا منصوبہ شروع کر چکے ہیں اور اس منصوبے کے مطابق پہلے انہوں نے چین کو نشانہ بنایا اور پھر ان ممالک کو ٹارگٹ کیا جن کے چین کے ساتھ بڑے پیمانے پر معاشی تعلقات تھے۔یورپ کے بڑے ممالک میں چینی مصنوعات نے اپنا اڈہ قائم کر لیا تھا۔نہ صرف یورپ بلکہ مڈل ایسٹ، عرب ممالک اور پاکستان تک چین نے تجارتی رسائی حاصل کر لی تھی۔یہ ساری صورتحال امریکہ کو کسی صورت قبول نہیں تھی کہ چین معیشت میں اس سے آگے نکلے۔اب حالات یہ ہیں کہ امریکہ نے ساری دنیا کو امداد کا لالچ دے کر وائرس زدہ بنا ڈالا اور خود دعائیہ تقریبات کا دن منانے کا اعلان کر دیا۔امریکہ نے چین کو ننگا کرنے کے لیے میڈیا کا سہارا لیا اور دنیا کو بتایا کہ چین سے کچھ بھی نہیں لینا ورنہ وائرس سے مر جاو گے۔اب دنیا کا ہر ملک ہر شہری چین سے ایک پیسے کی بھی چیز لینے کا نہیں سوچ رہا بھلے وہ مفت ہی کیوں نے ملے۔ایران چونکہ پہلے سے ہی امریکہ اور اسرائیل کے نشانے پر تھا تو اس کو مزید کمزور کرنے کے لیے اس وائرس کا سہارا لیا گیا۔اب آگے پاکستان بچتا تھا جہاں چین کی کھربوں ڈالر کی سرمایہ کاری چل رہی ہے۔حکومت نے آو دیکھا نہ تاؤ اور پورے پاکستان کو بند کر دیا۔نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارا تمام تر دارومدار چینی مصنوعات پر تھا اور وہ آنا بند ہو گئیں اور جو کاروبار چین کی مصنوعات پر چل رہا تھا وہ ٹھپ ہو کر دہ گیا۔وائرس

کی افواہوں نے نہ صرف چین کو متاثر کیا بلکہ پاکستان میں سی پیک پر کام کرنے والے افراد، انجینئرز اور کمپنیاں چینیوں سے بھاگنے لگیں۔ دنیا کو سوئی سے لے کر ایٹم بم دینے والے چین کی حالت اب ایسی ہے ہوگئی ہے کہ وہ دنیا سے ماسک بھیجنے کی درخواست کر رہا ہے اور یہی امریکہ چاہتا تھا کہ چین ایسی حالت میں آجائے کہ وہ آگے نہ نکل سکے۔ امریکہ نے عراق، افغان اور شام کی جنگ میں کھربوں ڈالر ضائع کیئے ہیں اور کہیں بھی کامیابی نہیں ہو پائی۔ لگاتار جنگوں کے بعد امریکی اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ اب ایسی جنگ لڑی جائے جس میں ایک بھی امریکی فوجی نہ مرے اور دنیا پر ہم راج بھی کریں۔ آج امریکہ افغانستان سے بھی نکل چکا، عراق میں بھی چند سو فوجی ہیں اور شام میں چند درجن سالوں سے لڑی جانے والی ان جنگوں کا نقصان امریکہ کو کسی طرح پورا کرنا تھا اور یہ خسارہ پورا کرنے کے لیے اسے تجارت کا سہارا لینا تھا لیکن چین اس کے آگے پہاڑ کی طرح کھڑا تھا اور یہاں پر چین سے جنگ اسلحے سے نہیں بلکہ دماغ سے لڑنی تھی اور بالآخر امریکہ، چین سے لڑے بغیر ہی اپنی جنگ جیت گیا اور اس نے محض ایک مہینے میں ہی چین جیسے معاشی ریچھ کو پاوں کے بل بٹھا دیا۔ اب منصوبے کے مطابق آنے والے دنوں میں امریکہ، اسرائیل اور برطانیہ دنیا میں اپنی مصنوعات کو بیچیں گے اور چین جب تک اپنے پاوں پر کھڑا ہوتا تب تک وہ ان سب کے پیچھے لگ چکا ہوگا۔ امریکہ نے پوری منصوبہ بندی کے ساتھ چین کا معاشی گھیراو کیا اور اس سلسلے میں اس نے سعودی عرب، قطر، کویت جیسے ممالک کو بھی استعمال کرتے ہوئے ڈرایا کہ کسی کو اپنی طرف نہ آنے دو ورنہ مارے جاو گے اور حال یہ ہے کہ خانہ کعبہ شریف تک بند کر دیا گیا۔ یہ وائرس شاید اتنا خطرناک نہ ہو مگر اس وائرس کی آڑ میں چین کے خلاف جو پروپیگنڈہ کر کے چین کو گندہ کیا گیا وہ وائرس سے بھی زیادہ خطرناک ترین ثابت ہوا ہے۔ یہ صورتحال ایسے ہی ہے کہ کسی گاوں میں اگر کسی عورت کے ساتھ زیادتی ہو جائے تو پورے گاوں سے خبر نکل کر دس دیہاتوں تک پہنچ جاتی اور نتیجہ یہ نکلتا کہ وہ عورت نہ گھر کہ رہتی اور نہ گھاٹ کی۔ یہی حال امریکہ نے چین کے ساتھ کیا ہے اب چین کی موجودہ حالت بالکل اس عورت کی طرح ہے جس سے دنیا کا ہر ملک بھاگ رہا کہ یہ مجھے بدنام نہ کر دے۔ حتیٰ کہ چین کا قریبی دوست پاکستان بھی منہ چھپا کر ایک سائیڈ پر ہو گیا کہ بھائی دور رہو حالات نازک ہیں۔ پاکستان کو چاہیے کہ اس مشکل وقت میں چین کی مدد کرے اور ملک بھر میں وائرس کے نام پر جو افراتفری پھیلائی ہوئی اس کو نارمل لا کر مشکل وقت میں چین کی تجارت سے خود بھی فائدہ اٹھائے اور چین کو حوصلہ بھی دے۔ کیونکہ چینی وہ قوم ہے جو ہر چیز کا توڑ نکال لیتی ہے اور آج نہ سہی کل تک وائرس کا حل نکال لے گی اور مشکل وقت میں ساتھ دینے والوں کو وہ پھر ہمیشہ یاد رکھیں گے۔ اللہ پاک برے وقت سے بچائے کہ پاکستان میں اس وقت تک کرونا وائرس سے کسی ایک شخص کی موت تک نہیں ہوئی اور افراتفری اتنی پھیلا دی کہ چین والے خود حیران ہیں۔ تھر میں بچے بھوکے مرتے رہے پر حکمرانوں نے ایسی پھرتی کبھی نہیں دکھائی۔ صرف لاڑکانہ میں سڑکوں کے نام پر 80 ارب ڈکارنے والی پیپلز پارٹی اسکول کالج بند کرا کے وزیر اعلی سندھ کو اکیس توپوں کی سلامیاں دے رہی ہے اور ہم خوش ہو رہے ہے کہ واہ کرونا کے خلاف بس، ایک ہی وزیر اعلی کام کر رہا۔ 50 ارب ڈالر کی امداد کا سن کر ہمارے منہ میں بھی پانی آ گیا ہے لیکن ہمیں معلوم نہیں کہ یہ امداد دراصل اس امریکی اور اسرائیلی منصوبے کا حصہ ہے جو چین کو دیوار سے لگانے کے لیے بنایا گیا اور ہم اتنے سادے کہ کہا چلو 50 ارب تو آ رہے۔ کوئی امریکہ، برطانیہ اور آئی ایم ایف سے پوچھے کہ امداد کا حقدار تو چین ہے اس کو کیوں نہیں دے رہے؟ آپ دنیا کو دکھانے کے لیے بندر کی طرح بھلے ایک درخت سے دوسرے درخت تک چھلانگیں لگائیں مگر ہمیں امریکہ کی امداد اور اپنے دوست چین کے درمیان تعلقات میں فرق ضرور رکھنا ہوگا۔

دلوں کو ہلا دینے والا واقعہ

رجل خوشاب

حضرت دحیہ قلبی رضی اللہ عنہ نہایت خوبصورت تھے۔ تفسیر نگار لکھتے ہیں کہ آپ کا حسن اس قدر تھا کہ عرب کی عورتیں دروازوں کے پیچھے کھڑے ہو کر یعنی چھپ کر حضرت دحیہ قلبی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کرتی تھیں۔ لیکن اس وقت آپ مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ ایک دن سرورِ کونین تاجدارِ مدینہ حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر حضرت دحیہ قلبی پر پڑی۔ آپؐ نے حضرت دحیہ قلبی کے چہرہ کو دیکھا کہ اتنا حسین نوجوان ہے۔ آپ نے رات کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا مانگی یا اللہ اتنا خوبصورت نوجوان بنایا ہے، اس کے دل میں اسلام کی محبت ڈال دے، اسے مسلمان کر دے۔ اتنے حسین نوجوان کو جہنم سے بچا لے۔

رات کو آپ نے دُعا فرمائی، صبح حضرت دحیہ قلبی رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ حضرت دحیہ قلبی رضی اللہ عنہ کہنے لگے اے اللہ کے رسول! بتائیں آپ ؐ کیا احکام لے کر آئے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا میں اللہ کا رسول ہوں اور اللہ واحد ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ پھر توحید و رسالت کے بارے میں حضرت دحیہ قلبی کو بتایا۔ حضرت دحیہ نے کہا: اللہ کے نبی میں مسلمان تو ہو جاؤں لیکن ایک بات کا ہر وقت ڈر لگا رہتا ہے ایک گناہ میں نے ایسا کیا ہے کہ آپ کا اللہ مجھے کبھی معاف نہیں کرے گا۔ آپؐ نے فرمایا: اے دحیہ بتا تو نے کیسا گناہ کیا ہے؟ تو حضرت دحیہ قلبی نے کہا: یا رسول اللہ میں اپنے قبیلے کا سربراہ ہوں۔ اور ہمارے ہاں بیٹیوں کی پیدائش پر انہیں زندہ دفن کیا جاتا ہے۔ میں کیونکہ قبیلے کا سردار ہوں اس لیے میں نے ستر گھروں کی بیٹیوں کو زندہ دفن کیا ہے۔ آپ کا رب مجھے کبھی معاف نہیں کرے گا۔ اسی وقت حضرت جبریل امین علیہ السلام حاضر ہوئے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ اسے کہیں اب تک جو ہو گیا وہ ہو گیا اس کے بعد ایسا گناہ کبھی نہ کرنا۔ ہم نے معاف کر دیا۔

حضرت دحیہ آپ کی زبان سے یہ بات سن کر رونے لگے۔ آپؐ نے فرمایا دحیہ اب کیا ہوا ہے؟ کیوں روتے ہو؟ حضرت دحیہ قلبی کہنے لگے یا رسول اللہ، میرا ایک گناہ اور بھی ہے جسے آپ کا رب کبھی معاف نہیں کرے گا۔ آپؐ نے فرمایا دحیہ کیسا گناہ؟ بتاؤ؟ حضرت دحیہ قلب فرمانے لگے یا رسول اللہ، میری بیوی حاملہ تھی اور مجھے کسی کام کی غرض سے دوسرے ملک جانا تھا۔ میں نے جاتے ہوئے بیوی کو کہا کہ اگر بیٹا ہوا تو اس کی پرورش کرنا اگر بیٹی ہوئی تو اسے زندہ دفن کر دینا۔ دحیہ روتے جا رہے ہیں اور واقعہ سناتے جا رہے ہیں۔ میں واپس بہت عرصہ بعد گھر آیا تو میں نے دروازے پر دستک دی۔ اتنے میں ایک چھوٹی سی بچی نے دروازہ کھولا اور پوچھا کون؟ میں نے کہا تم کون ہو؟ تو وہ بچی بولی میں اس گھر کے مالک کی بیٹی ہوں۔ آپ کون ہیں؟ دحیہ فرمانے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، میرے منہ سے نکل گیا: اگر تم بیٹی ہو اس گھر کے مالک کی تو میں مالک ہوں اس گھر کا۔ یا رسول اللہ! میرے منہ سے یہ بات نکلنے کی دیر تھی کہ چھوٹی سی اس بچی نے میری ٹانگوں سے مجھے پکڑ لیا اور بولنے لگی۔ بابا بابا آپ کہاں چلے گئے تھے؟ بابا میں کس دن سے آپ کا انتظار کر رہی ہوں۔ حضرت دحیہ قلبی روتے جا رہے ہیں اور فرماتے ہیں۔ اے اللہ کے نبی! میں نے بیٹی کو دھکا دیا اور جا کر بیوی سے پوچھا یہ بچی کون ہے؟ بیوی رونے لگ گئی اور کہنے لگی دحیہ! یہ تمہاری بیٹی ہے۔ یا رسول اللہ! مجھے ذرا ترس نہ آیا۔ میں نے سوچا میں قبیلے کا سردار ہوں۔ اگر اپنی بیٹی کو دفن نہ کیا تو لوگ کہیں گے ہماری بیٹیوں کو دفن کرتا رہا اور اپنی بیٹی سے پیار کرتا ہے۔ حضرت دحیہ کی آنکھوں سے اشک زار و قطار نکلنے لگے۔ یا رسول اللہ وہ بچی بہت خوبصورت، بہت حسین تھی۔

میرا دل کر رہا تھا اسے سینے سے لگا لوں۔ پھر سوچتا تھا کہیں لوگ بعد میں یہ باتیں نہ کہیں کہ اپنی بیٹی کی باری آئی تو اسے زندہ دفن کیوں نہیں کیا؟ میں گھر سے بیٹی کو تیار کروا کر نکلا تو بیوی نے میرے پاؤں پکڑ لیے۔ دحیہ نہ مارنا اسے۔ دحیہ یہ تمہاری بیٹی ہے۔ ماں تو آخر ماں ہوتی ہے۔ میں نے بیوی کو پیچھے دھکا دیا اور بچی کو لے کر چل پڑا۔ رستے میں میری بیٹی نے کہا بابا مجھے نانی کے گھر لے کر جا رہے ہو؟ بابا کیا مجھے کھلونے لے کر دینے جا رہے ہو؟ بابا ہم کہاں جا رہے ہیں؟ دحیہ قلبی روتے جاتے ہیں اور واقعہ سناتے جا رہے ہیں۔ یا رسول اللہ! میں بچی کے سوالوں کا جواب ہی نہیں دیتا تھا۔ وہ پوچھتی جا رہی ہے بابا کدھر چلے گئے تھے؟ کبھی میرا منہ چومتی ہے، کبھی بازو گردن کے گرد دے لیتی ہے۔ لیکن میں کچھ نہیں بولتا۔ ایک مقام پر جا کر میں نے اسے بٹھا دیا اور خود اس کی قبر کھودنے لگ گیا۔ آقا کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دحیہ کی زبان سے واقعہ سنتے جا رہے ہیں اور روتے جا رہے ہیں۔ میری بیٹی نے جب دیکھا کہ میرا باپ دھوپ میں سخت کام کر رہا ہے، تو اُٹھ کر میرے پاس آئی۔ اپنے گلے میں جو چھوٹا سا دوپٹہ تھا وہ اُتار کر میرے چہرے سے ریت صاف کرتے ہوئے کہتی ہے بابا دھوپ میں کیوں کام کر رہے ہیں؟ چھاؤں میں آ جائیں۔ بابا یہ کیوں کھود رہے ہیں اس

جگہ؟ بابا گرمی ہے چھاؤں میں آ جائیں۔اور ساتھ ساتھ میرا پسینہ اور مٹی صاف کرتی جا رہی ہے۔لیکن مجھے ترس نہ آیا۔

آخر جب قبر کھود لی تو میری بیٹی پاس آئی۔میں نے دھکا دے دیا۔وہ قبر میں گر گئی اور میں ریت ڈالنے لگ گیا۔بچی ریت میں سے روتی ہوئی اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھ میرے سامنے جوڑ کر کہنے لگی بابا میں نہیں لیتی کھلونے۔بابا میں نہیں جاتی نانی کے گھر۔بابا میری شکل پسند نہیں آئی تو میں کبھی نہیں آتی آپ کے سامنے۔بابا مجھے ایسے نہ ماریں۔یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ریت ڈالتا گیا۔مجھے اس کی باتیں سن کر بھی ترس نہیں آیا۔میری بیٹی پر جب مٹی مکمل ہو گئی اور اس کا سر رہ گیا تو میری بیٹی نے میری طرف سے توجہ ختم کی اور بولی اے میرے مالک میں نے سنا ہے تیرا ایک نبی آئے گا جو بیٹیوں کو عزت دے گا۔جو بیٹیوں کی عزت بچائے گا۔اے اللہ وہ نبی بھیج دے بیٹیاں مر رہی ہیں۔پھر میں نے اسے ریت میں دفنا دیا۔حضرت دحیہ قلبی رضی اللہ عنہ واقعہ سناتے ہوئے بے انتہا روئے۔یہ واقعہ جب بتا دیا تو دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنا رو رہے ہیں کہ آپؐ کی داڑھی مبارک آنسوؤں سے گیلی ہو گئی۔آپؐ نے فرمایا دحیہ ذرا پھر سے اپنی بیٹی کا واقعہ سناؤ۔اس بیٹی کا واقعہ جو محمد کے انتظار میں دنیا سے چلی گئی۔آپؐ نے تین دفعہ یہ واقعہ سنا اور اتنا روئے کہ آپ کو دیکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رونے لگ گئے اور کہنے لگے۔اے دحیہ کیوں رُلاتا ہے ہمارے آقا کو؟ ہم سے برداشت نہیں ہو رہا۔آپؐ نے حضرت دحیہ سے تین بار واقعہ سنا تو حضرت دحیہ کی رو رو کر کوئی حالت نہ رہی۔اتنے میں حضرت جبرائیل علیہ اسلام حاضر ہوئے اور فرمایا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اللہ سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! دحیہ کو کہہ دیں وہ اُس وقت تھا جب اس نے اللہ اور آپ ؐ کو نہیں مانا تھا۔اب مجھ کو اور آپ کو اس نے مان لیا ہے تو دحیہ کا یہ گناہ بھی ہم نے معاف کر دیا ہے۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے دو بیٹیوں کی کفالت کی، انہیں بڑا کیا، ان کے فرائض ادا کیے، وہ قیامت کے دن میرے ساتھ اس طرح ہو گا جس طرح شہادت کی اور ساتھ والی انگلی آپس میں ہیں۔جس نے دو بیٹیوں کی پرورش کی اس کی یہ اہمیت ہے تو جس نے تین یا چار یا پانچ بیٹیوں کی پرورش کی اس کی کیا اہمیت ہو گی؟ بیٹیوں کی پیدائش پر گھبرایا نہ کریں انہیں والدین پر بڑا مان ہوتا ہے اور یہ بیٹیاں اللہ کی خاص رحمت ہوتی ہیں۔

***

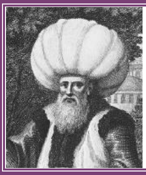

دلچسپ اور سبق آموز واقعہ

ادارہ

خلیفہ ہارون الرشید عباسی خاندان کا پانچواں خلیفہ تھا‘ عباسیوں نے طویل عرصے تک اسلامی دنیا پر حکومت کی لیکن ان میں سے شہرت صرف ہارون الرشید کو نصیب ہوئی۔ہارون الرشید کے دور میں ایک بار بہت بڑا قحط پڑ گیا۔اس قحط کے اثرات سمرقند سے لے کر بغداد تک اور کوفہ سے لے کر مراکش تک ظاہر ہونے لگے۔ہارون الرشید نے اس قحط سے نمٹنے کیلئے تمام تدبیریں آزمالیں‘اس نے غلے کے گودام کھول دیئے‘ ٹیکس معاف کر دیئے‘ پوری سلطنت میں سرکاری لنگر خانے قائم کر دیئے اور تمام امرا اور تاجروں کو متاثرین کی مدد کیلئے موبلائز کر دیا لیکن اس کے باوجود عوام کے حالات ٹھیک نہ ہوئے۔ایک رات ہارون الرشید شدید ٹینشن میں تھا‘ اسے نیند نہیں آ رہی تھی‘ ٹینشن کے اس عالم میں اس نے اپنے وزیراعظم یحییٰ بن خالد کو طلب کیا‘ یحییٰ بن خالد ہارون الرشید کا استاد بھی تھا۔اس نے بچپن سے بادشاہ کی تربیت کی تھی۔ہارون الرشید نے یحییٰ خالد سے کہا ”استاد محترم آپ مجھے کوئی ایسی کہانی‘ کوئی ایسی داستان سنائیں جسے سن کر مجھے قرار آ جائے“ یحییٰ بن خالد مسکرایا اور عرض کیا ”بادشاہ سلامت میں نے اللہ کے کسی نبی کی حیات طیبہ میں ایک داستان پڑھی تھی داستان مقدر‘ قسمت اور اللہ کی رضا کی سب سے بڑی اور شاندار تشریح ہے۔آپ اگر اجازت دیں تو میں وہ داستان آپ کے سامنے دہرا دوں“ بادشاہ نے بے چینی سے فرمایا ”یا استاد فوراً فرمائیے۔میری جان حلق میں اٹک رہی ہے“ یحییٰ خالد نے عرض کیا ”کسی جنگل میں ایک بندریا سفر کیلئے روانہ ہونے لگی‘ اس کا ایک بچہ تھا‘ وہ بچے کو ساتھ نہیں لے جا سکتی تھی چنانچہ وہ شیر کے پاس گئی اور اس سے عرض کیا ”جناب آپ جنگل کے بادشاہ ہیں‘ میں سفر پر روانہ ہونے لگی ہوں‘ میری خواہش ہے آپ میرے بچے کی حفاظت اپنے ذمے لے لیں“ شیر نے حامی بھر لی‘ بندریا نے اپنا بچہ شیر کے حوالے کر دیا‘ شیر نے بچہ اپنے کندھے پر بٹھا لیا‘ بندریا سفر پر روانہ ہو گئی‘ اب شیر روزانہ بندر کے بچے کو کندھے پر بٹھاتا اور جنگل میں اپنے روزمرہ کے کام کرتا رہتا۔ایک دن وہ جنگل میں گھوم رہا تھا کہ اچانک آسمان سے ایک چیل نے ڈائی لگائی‘ شیر کے قریب پہنچی‘ بندریا کا بچہ اٹھایا اور آسمان میں گم ہو گئی‘ شیر جنگل میں بھاگا دوڑا لیکن وہ چیل کو نہ پکڑ سکا“ یحییٰ خالد رکا‘ اس نے سانس لیا اور خلیفہ ہارون الرشید سے عرض کیا ”بادشاہ سلامت چند دن بعد بندریا واپس

آئی اور شیر سے اپنے بچے کا مطالبہ کر دیا۔ شیر نے شرمندگی سے جواب دیا' تمہارا بچہ تو چیل لے گئی ہے' بندریا کو غصہ آ گیا اور اس نے چلا کر کہا ''تم کیسے بادشاہ ہو' تم ایک امانت کی حفاظت نہیں کر سکے' تم اس سارے جنگل کا نظام کیسے چلاؤ گے'' شیر نے افسوس سے سر ہلایا اور بولا ''میں زمین کا بادشاہ ہوں' اگر زمین سے کوئی آفت تمہارے بچے کی طرف بڑھتی تو میں اسے روک لیتا لیکن یہ آفت آسمان سے اُتری تھی اور آسمان کی آفتیں صرف اور صرف آسمان والا روک سکتا ہے''۔

یہ کہانی سنانے کے بعد یحییٰ بن خالد نے ہارون الرشید سے عرض کیا ''بادشاہ سلامت قحط کی یہ آفت بھی اگر زمین سے نکلی ہوتی تو آپ اسے روک لیتے' یہ آسمان کا عذاب ہے' اسے صرف اللہ تعالیٰ روک سکتا ہے چنانچہ آپ اسے رکوانے کیلئے بادشاہ نہ بنیں' فقیر بنیں' یہ آفت رُک جائے گی''۔ دنیا میں آفتیں دو قسم کی ہوتی ہیں' آسمانی مصیبتیں اور زمینی آفتیں۔ آسمانی آفت سے بچے کیلئے اللہ تعالیٰ کا راضی ہونا ضروری ہوتا ہے جبکہ زمینی آفت سے بچاؤ کیلئے انسانوں کا متحد ہونا' وسائل کا بھرپور استعمال اور حکمرانوں کا اخلاص درکار ہوتا ہے۔ یحییٰ بن خالد نے ہارون الرشید کو کہا تھا ''بادشاہ سلامت آسمانی آفتیں اس وقت تک ختم نہیں ہوتیں جب تک انسان اپنے رب کو راضی نہیں کر لیتا' آپ اس آفت کا مقابلہ بادشاہ بن کر نہیں کر سکیں گے چنانچہ آپ فقیر بن جایئے۔ اللہ کے حضور گر جایئے' اس سے توبہ کیجئے' اس سے مدد مانگئے''۔ دنیا کے تمام مسائل اور ان کے حل کے درمیان صرف اتنا فاصلہ ہوتا ہے جتنا ماتھے اور جائے نماز میں ہوتا ہے لیکن افسوس ہم اپنے مسائل کے حل کیلئے سات سمندر پار تو جا سکتے ہیں لیکن ماتھے اور جائے نماز کے درمیان موجود چند انچ کا فاصلہ طے نہیں کر سکتے۔

***

افسانچے - محمد نعیم یاد، جوہر آباد

قربت کا درد: ماں دیکھو انٹرنیٹ کے کتنے ہی فائدے ہیں۔ امریکہ کا مشہور ناولسٹ آج بیمار ہے اس نے فیس بک پہ اپنی بیماری کا بتایا ہے۔ اب دیکھو یہاں بیٹھے میں نے بھی اس کے لیے اس کے اسٹیٹس کے کے نیچے نیک تمناؤں کا اظہار کیا ہے۔ ہاں تم ٹھیک کہتے ہو۔ ماں نے آہستہ سے جواب دیا اور باہر جا کے کھانسنے لگی۔ درد کی شدت سے وہ نیچے بیٹھ گئی اور سوچنے لگی کاش وہ بھی کہیں بہت دور بیٹھ کے انٹرنیٹ پہ بیٹھی ہوتی۔

افسانچے - محمد نعیم یاد، جوہر آباد

خواب سرائے

سکون: شہر کا رئیس رات بھر بے چینی سے نرم بستر پر کروٹیں بدل رہا تھا مگر نیند کوسوں دور تھی جب کہ اس کے عالی شان گھر کے سامنے کوئی فٹ پاتھ پہ بازوؤں کو تکیا بنائے سکون کی نیند سو رہا تھا۔

ضرورت: بڑے شہر میں زلزلہ آیا تو اگلے ہی دن اس سے ملحق چھوٹے شہر میں چوک پہ کھڑے مزدور ایک دوسرے کو کہہ رہے تھے۔ ''ہمیں فوراً بڑے شہر چلے جانا چاہیے۔ سنا ہے زلزلے کی وجہ سے بہت نقصان ہوا ہے اور بیرونی امداد کو اپنے گھروں تک پہنچانے کیلئے وزراء کو بہت سے مزدوروں کی ضرورت ہوگی''

موت: شہر کے اس شاندار بنگلے کے سامنے بالآخر وہ بچہ بھوک کی تاب نہ لاتے ہوئے مر گیا جس بنگلے کی چھت پہ بندھے کتے کے آگے کھانے کے لیے کئی کلو گوشت رکھا تھا۔

احساس: جاڑے کی رُت میں جب وہ شہر کی مشہور دُکان سے شاپنگ کر کے بابا کے ساتھ گاڑی میں بیٹھنے لگی تو اس کی نظر اُس لڑکے پہ پڑی جو اتنی سردی کے باوجود پھٹے ہوئے کپڑے پہنے ہوئے تھا ایک لمحے کو اس کو تھرتھری سی آئی اور اس نے لڑکے سے پوچھا: ''اے کیا تجھے سردی نہیں لگتی'' لڑکے نے معصومیت سے جواب دیا: ''نہیں! بس بھوک لگتی ہے''۔

خواب سرائے: وہ فیکٹری سے نکلا تو تیزی سے قدم اُٹھائے اس نوجوان کی طرف بڑھا جو فیکٹری ایریا کے باہر بھنے ہوئے چنے اور مکئی کے دانے لیے کھڑا تھا۔ سخت جاڑے کے موسم میں جونہی گرم چنوں اور مکئی کی خوشبو اس کے نتھنوں سے ٹکرائی تو اپنی بیٹی کا عکس ذہن میں آنے لگا جس سے اس نے وعدہ کیا تھا کہ تنخواہ ملی تو اس کیلئے ضرور کچھ لے کے آئے گا۔ اس نے جلدی سے چند پیسوں سے بھنے ہوئے مکئی کے دانے لیے اور اپنے گھر کو چل دیا۔ اسے یقین تھا کہ اس کی بیٹی یہ دیکھ کر بہت خوش ہوگی۔ اس نے پیچھے مڑ کے دیکھا۔ اس کی فیکٹری کے کئی کارکن پھلوں سے بھرے تھیلے اٹھائے گھر جا رہے تھے۔ اس نے ان کے ہاتھوں میں لدے پھندے ان تھیلوں کو دیکھا تو اسے اپنے ہاتھ میں پکڑے مکئی کے وہ دانے بہت ہلکے لگے۔ اس کی آنکھوں کے

آگے اندھیرا چھانے لگا۔ اوراس کے دماغ میں بیٹی کا عکس پھر سے واضح ہونے لگا مگراب کی بار اسے لگا جیسے مکئی کے دانے دیکھ کروہ اُبل پڑی ہواور کہہ رہی ہو"ابا اتنے ماہ بعداس خواہش کو پورا کیا۔ اوروہ بھی مکئی کے دانوں سے"۔ اس کا جی متلانے لگا۔ اورقدم من من کے بھاری ہونے لگے۔ دفعتاً اسے پیچھے کسی گاڑی کا ہارن سنائی دیااور تیزی سے سڑک پار کرنے لگا ہی تھا کہ اس کا پاؤں سڑک پہ گری کسی چیز سے پھسلا اور پھراورایک زوردار جھماکا... چند ثانیوں بعد سڑک پہ کافی ہجوم تھا جو سڑک پہ گرے اوندھے بل شخص کے گرد کھڑے تھے جو چند لمحوں پہلے اگلی دنیا سدھار گیا تھا اور سڑک پہ ارد گرد مکئی کے دانے بکھرے پڑے تھے۔ کسی نے قریب جا کے دیکھا توزور سے چلایا"ارے دیکھواس کے جوتوں کے نیچے تو کیلے کا چھلکا ہے۔

لگتا ہے بے چارا اسی سے پھسلا ہوگا اور گاڑی سے حادثے کا شکار ہوگیا ہوگا۔" ہاں یار تم ٹھیک کہتے ہو۔ سب اس کی تائید میں بولے۔ مگر یہ کوئی نہیں جانتا تھا کہ کیلے وہ چھلکا وہی تھا جو اس کے ساتھیوں نے پھلوں سے بھرے ان تھیلوں سے نکال کر کھا کے پھینکا تھا جو وہ اپنے بچوں کے لیے لے کے جا رہے تھے۔ بکھرے رنگ... وہ شام کو کام سے گھر لوٹا تو وہ دونوں بہن بھائی اس سے لپٹ گئے۔ ابّا بتاؤ کس کی ڈرائنگ اچھی ہے؟ وہ چہکتے ہوئے بولی۔ اُس نے ایک نظر بیٹی کی جھلملاتی آنکھوں میں دیکھا جو کسی محبت بھرے فیصلے کے انتظار میں تھیں۔ پر دوسرے ہی لمحے بیٹے کو دیکھتے ہی بیٹے کو گود میں اُٹھایا اور خوشی سے بولا"ارے میرے شیر بیٹے سے بھلا کوئی اچھی ڈرائنگ بنا سکتا ہے۔" اور پھر پیار سے اسے اٹھائے اندر چلا گیا۔ وہ نم آنکھوں سے باپ کو جاتا دیکھتی رہی۔ اور پھر ایک نظر اس نے اپنی ڈرائنگ پہ ڈالی۔ جس پہ اس نے باپ کے ساتھ اپنی تصویر بنائی تھی۔ کئی آنسو اس کی آنکھوں سے گرے اور ننھے رُخسار سے رستہ بنائے اس کی ڈرائنگ پہ جا گرے۔ کئی رنگ بکھر گئے۔ اور وہ آنسو صاف کرتے ہوئے بولی"واقعی ابا کتنی بھدی ڈرائنگ بنائی میں نے دیکھو سارے رنگ بکھر گئے۔" قدموں کا فرق۔۔ شہر کا رئیس آدمی پارک میں وزن کم کرنے کیلئے دوڑ رہا تھا جب کہ اس کے پیچھے ایک کمزور، نحیف سا بچہ ہاتھ اُٹھائے روٹی کی خاطر چند رُپے مانگنے کیلئے۔

***

چکر کھاتی چرخی پر

مبشرہ ناز

ایک چھوٹی سی صندوقچی تھی جو ہر وقت اس کے سرہانے دھری رہتی جانے کون سا خزانہ سنبھال رکھا تھا اُس میں۔ میں نے راتوں کو اکثر اسے صندوقچی کھول کر اُداس بیٹھے دیکھا مجھے دیکھتے ہی وہ صندوقچی کا ڈھکنا بند کرتی جھٹ سے مسکراتی اور کہتی۔ آپ میرے خزانے کی ٹوہ میں نہ رہا کریں یہ میری عمر بھر کی کمائی ہے یہ میں آپ کو ہر گز نہیں دوں گی۔ میں مسکرا دیتا اُسے لگتا۔ وہ صندوقچی کے بند ڈھکنے کے پیچھے چھپ جائے گی اور میں اسے ڈھونڈ نہیں پاؤں گا ڈھونڈتا بھی کیسے... وہ خود کو چھپا ہی نہیں پاتی تھی کبھی اس کی اداسی کا پلو صندوقچی کے باہر رہ جاتا اور کبھی پراندے کی پھندنی۔ صندوقچی میں جمع چند روپے اور جدائی کے پل گنتی میری بیوی اماں کی بھانجی جسے اماں کشمیر سے بیاہ کر لائیں تھیں پھر کبھی میکے جا ہی نہ سکی میں اسے لے جا ہی نہ سکا میں اس کا بھولا پیارا ساتھی...! ہر بار ضرورت پڑنے پر صندوقچی میں رکھی اپنی ساری جمع پونجی اُٹھا کر وہ میرے ہاتھ پر رکھ دیتی۔ کچھ دنوں میں لوٹا دوں گا... کبھی اماں کی بیماری پر خرچ ہو جاتے، کبھی چھتیں ٹپکنے لگتیں اور یوں وہ دن کبھی آئے ہی نہیں، وہ تو بس انگلیوں کی پوروں سے لپٹنے کی حسرت دل میں لیئے دعاؤں کے لمس سے نا آشنا کھجور کی گھٹلیوں کی طرح زندگی کی دھوپ میں پڑے سوکھتے رہ گئے... کہ ایک دن اس کی اماں کے گزر جانے کی خبر آ گئی۔ اس کی آنکھیں بجھ گئیں۔ ان کے رنگ اُڑ گئے۔ اُس کی آنکھوں میں رکھا آس سے بھرا میٹھے سونفوں کا رنگ برنگا تھال وقت نے ہاتھ مار کر گرا دیا تھا۔ ان پر چڑھا رنگ برنگا میٹھا، رنگ کھو بیٹھا تھا۔

میں لاکھ چنتا وہ رنگ مگر نہیں لوٹا سکتا تھا۔ کئی سال گزر گئے... آخر کل میں اسے کشمیر لے آیا اسے اس کی ماں کے ساتھ دفناتے ہوئے میرے دل نے بہت دہائیاں دیں کاش میں اسے اس کی زندگی میں لے آیا ہوتا... اس نے بھی کبھی کہا ہی نہیں...! میں نے دیر کر دی تھی بہت دیر۔۔ وہ اپنی ماں کا آخری دیدار بھی نہیں کر سکی تھی... صندوقچی خالی تھی فاصلہ زیادہ شام تک تدفین ہوگئی۔ اب جا کر کیا کریں گے میر یکہ نے پر... سُن کر وہ چُپ ہو گئی... دو آنسو گالوں سے پھسل کر زمین پر آ گرے۔ وہ میرے دل پر کیوں نہ گرے کاش میرے دل پر گرتے کاش... اب سوچتا ہوں تو یاد آتا ہے اُس کی وہ

چُپ پھر کبھی ٹوٹی ہی نہیں۔ ہنستی بھی کم کم ہی تھی اگر کبھی بُھولے سے ہنس بھی دیتی تو جھنکار سے خالی نم آنکھوں والی سِلّی سِلّی سی ہنسی... جس کی یاد میرے کئی دن نمکین رکھتی ہے۔! ایک دن میرے روپے پکڑانے پر کہنے لگی میں ان روپوں کا کیا کروں گی مجھ سے نہیں سنبھلتے بھئی اب آپ ہی رکھیئے۔ صندوقچی بھر گئی کیا...؟ میں نے ہنس کر پوچھا وہ خالی ہی کب ہوئی نچلے ہونٹ کو دانتوں سے چباتے ہوئے بولی۔ اُس کے جانے کے بعد صندوقچی کھول کر دیکھی... اس کی اماں کی ایک بلیک اینڈ وائٹ تصویر رکھی تھی... ٹکا نہ دھیلا فقط ایک بلیک اینڈ وائٹ تصویر۔ دھیان سے دیکھا تو ساتھ میں سارا بچپن پڑا تھا ...سہیلیوں کی ہنسی عید کی چوڑیوں کی کھنک مہندی کی خوشبو...گڑیا کی شادی کے شامیانے بھی ابھی تک بکھرے پڑے تھے۔ گڑیا کی جدائی میں بہتے چند ایک اشک بھی رکھے تھے...! ٹوٹی پازیب کا اک گھنگرو، پلکوں سے اُلجھے خواب، ڈھیر ساری اداسی اور وہ ایک لوری... سسکتی ہوئی

للا للا لوری دودھ کی کٹوری دودھ میں بتاشا--- جیون کھیل تماشا

...وقت نے دودھ میں پڑے بتاشے کب نگلے۔ پتہ ہی نہیں چلا۔ جیون نے یہ کیسا کھیل کھیلا... اس نے ٹھیک ہی تو کہا تھا صندوقچی خالی ہی کب ہوئی... وہ تو لبالب بھری ہوئی تھی...! میرا دل مجھے کوسنے دے رہا تھا۔ بد نصیب تجھے اُس وقت کیوں نہ ہوش آئی... میرا بس چلتا تو وقت کو منتیں کر کے منا لیتا ایک بار واپس لے آتا اسے اس کی زندگی میں اس کی ماں سے ملوا لاتا اسے اس کی لوریاں واپس کر دیتا مگر یہ میرے بس میں نہیں میرے بس میں تو فقط نوحہ ہے آنے والے وقت کے پنوں پر لکھنے کیلئے...! اُس کی آخری خواہش تھی اُسے کشمیر میں دفن کیا جائے...! اُس کی بہن نے بس اتنا ہی کہا لال جوڑے میں لے گئے تھے سفید میں لائے ہو کوئی ایسا بھی کرتا ہے دولہا بھائی میں اُسے اُس کے کشمیر چھوڑ آیا تھا...! واپسی کے سفر میں پچھتاوے میرے ساتھ تھے میرے ساتھ بیٹھا مسافر مینا گوئندل کی نظم سن رہا تھا چکر کھاتی چرخی پر گھوم کر تیرے ہاتھوں میں پانی کے چند ہی قطروں سے میں اپنے آپ ہو جاتی کبھی گول رکابی کے جیسی کبھی چپٹی کاسوں کی پیالی میں اپنے اندر گرم اور ٹھنڈے جذبے سموجاتی میری قیمت تو نے کیا جانی میرے بھولے پیارے ساتھی رے چکر کھاتی چرخی پر گھوم کر تیرے ہاتھوں میں" میں صندوقچی سینے سے لگائے نم آنکھوں سے سوچ رہا تھا... میرے ہاتھوں میں چکر کھاتی وہ پیالی یا رکابی تو نہ تھی...!

جستہ جستہ

عطاء القادر طاہر

لطائف

☆منیر نیازی ایک دفعہ کراچی گئے تو جون ایلیا نے انہیں کہا منیر خان! تمھارے بال سفید ہو گئے ہیں۔ منیر نیازی نے جواب دیا: بچّو! جو مجھ پر گزری ہے تم پر گزرتی تو تمھارا خون سفید ہو جاتا۔

☆خوشونت سنگھ ایک جگہ اپنے متعلق لکھتے ہیں خالصتان کی تحریک کے دوران میں نے سکھ قیادت کی غلطیوں کی نشان دہی کی میری اس جسارت پر سکھ برادری مجھ سے ناراض ہوگئی اور مجھے سکھوں نے دنیا بھر سے گالیوں بھرے خط لکھنا شروع کر دیئے۔ مجھے گالیوں سے بھرا ہوا ایک خط کینیڈا سے کسی سکھ نے لکھا، یہ خط گورمکھی زبان میں تھا۔ لفافے پر انگریزی کے چار حرف لکھے تھے "باسٹرڈ خوشونت سنگھ انڈیا" یہ خط کینیڈا سے پوسٹ کیا گیا اور میں بھارتی محکمہ ڈاک کی کارکردگی پر حیران رہ گیا کیونکہ محکمہ ڈاک نے سوا ارب کی آبادی میں موجود واحد باسٹرڈ کو تلاش کر کے یہ خط مجھ تک پہنچا دیا۔ میں بڑے عرصے تک یہ خط اپنے دوستوں اور ملاقاتیوں کو دکھاتا تھا اور اس کے بعد ان سے کہتا تھا۔ تم لوگ اس کے باوجود محکمہ ڈاک کی کارکردگی سے غیر مطمئن ہو۔

☆ایک نوجوان لڑکی نے کہا: فیض صاحب! مجھ میں بڑا تکبر ہے اور میں انا کی بہت ماری ہوئی ہوں۔ جب صبح میں شیشہ میں دیکھتی ہوں تو میں سمجھتی ہوں کہ مجھ سے زیادہ خوبصورت اس دنیا میں اور کوئی نہیں۔ فیض صاحب کہنے لگے بی بی! یہ تکبر اور انا ہرگز نہیں یہ غلط فہمی ہے۔

☆علامہ نیاز فتح پوری زیادہ تر سائینٹفک فلمیں پسند کرتے تھے۔ عائشہ خان نے ایک بار پوچھا "آپ رومانی فلمیں کیوں نہیں دیکھتے؟ تو بولے۔ رومان کیا جاتا ہے، دیکھا نہیں جاتا۔

☆امریکی وزیر خارجہ ہنری کسنجر نے امریکہ اور یورپی ممالک کے درمیان تعلقات میں مشکلات پر ایک کتاب لکھی جس کا نام تھا:

The Troubled Partnership

☆یہ کتاب امریکہ کے تمام مقامات پر بہت کم بکی۔ لیکن حیرانی اس بات پر ہوئی کہ ایک شہر کے ایک بک سٹور میں بہت زیادہ بکی۔ تحقیق کرنے پر

معلوم ہوا کہ اس دکان کے سیلز مین نے اس کتاب کو غلطی سے میرج گائڈ بکس کے شیلف میں رکھ دیا تھا۔

تازہ صورت حال

✡ کمرے سے باہر نکل جاؤ تو، ابھی جھاڑو لگایا تھا سب برباد کر دیا۔

✡ لیٹ جاؤ تو، ساری بیڈ شیٹ خراب کر دی آپ کو بالکل ڈھنگ نہیں ہے۔ ✡ کچھ کھانے کو مانگو تو، ابھی دیا تو تھا۔ ✡ ٹی وی چلاؤ تو، مجھے سونے دیں۔ ✡ بیڈ سے اٹھو تو، کہاں جا رہے ہیں؟ ✡ نا اٹھو تو، صبح سے ایک ہی جگہ پہ لیٹے لیٹے کمر نہیں دُکھ رہی آپ کی؟ ✡ چائے مانگو تو، کتنی چائے پییں گے آپ؟ ✡ کولڈ ڈرنک کی طرف دیکھتے ہی، زیادہ سیانے نہ بنیں، پہلے ہی بلکی ہو رہے ہیں۔ ✡ گھر سے باہر جھانکو تو، کیا دیکھ رہے ہیں؟ لیٹے رہیں۔ ✡ تھوڑا لیٹ جاؤ تو، اٹھیں بیڈ شیٹ خراب ہوگئی ہے۔ ٹھیک کر دوں۔ ✡ بچوں کو کچھ کہہ دو تو، کیا ہے آپ کو؟ بچوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔ ✡ نہ کہو تو، آپ نے سر چڑھا کر رکھا ہے انہیں۔ ✡ ان سب باتوں سے گھبرا کر، کسی کے باہر جانے کی بات کرو تو، پاگل ہو گئے ہیں کیا؟ ان حالات میں جائیں گے کیا؟۔ ✡ کسی کو گھر بلاؤ تو، خبردار ان حالات میرے گھر میں کوئی آنہ جائے۔

✡ کسی کو فون کرلو تو، سارا دن فون پر لگے رہتے ہیں، آفس میں بھی یہی کرتے ہونگے۔

یہ سن 1996ء کی بات ہے

جب لاہور کے ایک تھیٹر میں کام کرنے والے میاں بیوی والدین بننے والے تھے ایک دن روٹین کے چیک اپ کیلئے ہسپتال گئے تو ان کی خوشی کی انتہاء نہ رہی جب انہیں بتایا گیا کہ ان کے ہاں جڑواں بیٹوں کی ولادت ہوگی خیر سے بچے ہو گئے دلچسپ بات یہ کہ بچے ہمشکل بھی تھے وہ دونوں وقت کے ساتھ بڑے ہوئے تو انہیں یہ جان کر بہت صدمہ ہوا کہ ان کا ایک بچہ گونگا ہے علاج کیلئے بہت گھومے مگر اتنا جان پائے کہ بچہ قابل علاج تو ہے مگر اس کیلئے امریکہ جانا پڑے گا دونوں نے دن رات محنت کی مگر اتنے پیسے جمع کر پائے کہ والدین میں سے صرف ایک ہی بچے کے ساتھ ہی جایا جا سکتا تھا۔ ماں تھی، بیمار بچے کو کیسے خود سے جدا کر کے علاج کروا سکتی تھی آخر ماں اور بچے کا ویزہ لگوایا گیا اور ایک دن وہ امریکہ روانہ ہو گئے۔ خاتون ائیر پورٹ سے بچے کو لیکر سنٹرل پارک کے علاقے کی طرف نکلی بچہ خوشی سے آگے آگے بھاگتا جا رہا تھا کہ اسے کہیں سے بیس بال کی گیند سر میں آن لگی۔ بچے نے اِدھر اُدھر دیکھ کر مارنے والے کو دیکھا اور روتے ہوئے کہا: او تیرا بیڑا غرق ہو۔ ماں یہ دیکھ کر خوشی سے پاگل ہوگئی۔ جلدی سے خاوند کو فون ملایا: بچہ بول پڑا ہے اور تیرا بیڑا غرق ہو کہا ہے۔ خاوند یہ سن کر چپ رہا پھر کہا ایک منٹ ٹھہرو۔ تھوڑی دیر کے بعد خاوند کی آواز آئی: تیرا وی بیڑا ای غرق او گونگے نوں تے ایتھے ای چھڈ گئی ایں۔

الفاظ کی دھنک کتاب سے انتخاب

''معیارِ زندگی'' اس وقت تک بلند نہیں ہوتا جب تک خیالات بلند نہ ہوں، سوچ کو پانی کے قطروں کی طرح شفاف رکھا جائے تو ایمان بنتا ہے۔ اسی لیے یہ کہا جاتا ہے بلند معیار زندگی کا تعلق امیری سے نہیں بلکہ سوچ کی شفافیت اور پختگی سے ہے۔ اس کیلئے سب سے ضروری ہے کہ اپنے دل اور دماغ کی تربیت اس نہج پر کی جائے کہ وہ مثبت سوچ کے حامل ہوں۔ خوبیوں کے متلاشی ہوں، عیب جوئی سے پرہیز کریں۔ مثبت سوچ کی مثال گلاب کے ان پھولوں کی سی ہے۔ جنہیں اگر ٹوکری میں بند رکھا جائے اور بہت عرصہ بعد بھی کھولا جائے وہ مرجھا جانے اور خشک ہو جانے کے بعد بھی خوشبو ہی دیتے ہیں۔ مثبت سوچ مثبت فکر کی طرف لے جاتی ہے۔ اسی سے شخص سے شخصیت کا سفر ممکن ہوتا ہے اور شخصیت بنتی ہی تب ہے۔ جب ظاہر اور باطن سے بیک وقت مثبت فکر اور مثبت عمل کا اظہار ہو رہا ہوتا ہے۔

(ڈاکٹر محمد اعظم رضا تبسم کی کتاب الفاظ کی دھنک سے انتخاب)

کیا زیادہ پڑھنے سے انسان پاگل ہو جاتا ہے

بچپن میں سنتے تھے کہ زیادہ علم حاصل کرنے سے انسان پاگل ہو جاتا ہے، بہت دفعہ سوچا کہ علم انسان کو پاگل کیسے کر سکتا ہے؟ لیکن اب میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ واقعی ایسا ہوتا ہے۔ میں نے اس کا عملی مظاہرہ دیکھا ہے، اکثر گھر میں بذریعہ ڈاک کتابیں موصول ہوتی ہیں اور جس وقت پوسٹ مین آتا ہے عین اُسی وقت میرا مالی جیرا بھی پودوں کی تراش خراش میں مصروف ہوتا ہے، لہٰذا کتابیں وہی وصول کرتا ہے، میرے صحن میں لیموں کا ایک پودا ہے جس پر ہر موسم میں لیموں لگتے ہیں، اُس روز میں کچھ لیموں توڑ رہا تھا کہ مین گیٹ کی بیل ہوئی۔ جیرا مالی پودوں کو پانی دے رہا تھا، اُس نے پانی کا نل بند کیا اور گیٹ سے باہر چلا گیا، تھوڑی دیر بعد وہ واپس آیا تو اُس کے ہاتھ میں ایک بنڈل تھا جس کی پیکنگ بتا رہی تھی کہ اندر کتابیں ہیں، میں نے وہیں پیکٹ کھولا اور کتابوں کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا، جیرا مالی میرے قریب ہوا اور آہستہ سے بولا صاحب زیادہ کتابیں پڑھنے سے علم کی تاپ چڑھ جاتی ہے۔

میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور مسکرایا یہ سب خیالی باتیں ہیں چاچا علم کی وجہ سے ایسا نہیں ہوتا، یہ سنتے ہی جیرے مالی نے کندھے پر پڑا اپنا کپڑا اُتار کر پسینہ پونچھا اور غور سے میری طرف دیکھا، صاحب جی! ہمارے گاؤں میں ایک ایسا بندہ موجود ہے، میرے کان کھڑے ہو گئے ''کون ہے وہ؟''۔ جیرے مالی نے دانت نکالے ''ماسٹر غاؤں غاؤں'' پتا چلا کہ جیرے کے گاؤں میں گذشتہ پچاس سالوں میں ایک ہی شخص پڑھا لکھا ہے اور وہ بھی پاگل ہو چکا ہے۔ شہر کے کسی سکول میں ہیڈ ماسٹر تھا، پھر واپس گاؤں چلا آیا اور اب ہاتھ میں اینٹ اُٹھائے غاؤں، غاؤں کرتا پھرتا ہے، جیرے مالی کا گاؤں دور دراز کے کسی علاقے میں تھا لیکن مجھ پر تجسس کا بھوت سوار ہو چکا تھا، میں نے پوچھا کہ ''چاچا کیا میں تمہارے گاؤں جا کر اُس ماسٹر کو دیکھ سکتا ہوں؟''۔

جیرے نے کندھے اُچکائے ''جب مرضی دیکھ لیں، لیکن ہمارے گاؤں کا راستہ بڑا خراب ہے، گاڑی نہیں جائے گی۔'' میں جلدی سے بولا ''ٹرین یا بس تو جاتی ہوگی؟''۔ اُس نے اثبات میں سر ہلایا ''صرف بس جاتی ہے لیکن دو بسیں بدلنا پڑتی ہیں۔'' میں نے جیرے سے اُس کے گاؤں کا ایڈریس لیا، حوالے کے لئے ایک نام معلوم کیا اور ہفتہ کی رات روانہ ہو گیا، تین گھنٹے کے طویل سفر کے بعد گاؤں پہنچا تو شام ہو چکی تھی، راستہ واقعی خراب تھا، پورا انجر پنجر ہل گیا، سخت تھکن ہو رہی تھی، لہذا گاؤں میں داخل ہوتے ہی چاچے جیرے کے بتائے ہوئے بندے کا پوچھا اور وہاں پہنچ گیا۔ یہ بندہ چاچے جیرے کا بہنوئی ''نہلا'' تھا اور گاؤں میں کافی اثر و رسوخ رکھتا تھا، بڑی محبت سے ملا اور بیٹھک میں خاص طور پر میرے لئے بستر لگوایا، رات کے کھانے میں اُس سے گفتگو ہوئی تو میں نے جان بوجھ کر ماسٹر غاؤں، غاؤں کا ذکر چھیڑ دیا، نہلے نے قہقہہ لگایا ''وہ تو جی پاگل ہے، اینٹ دے مارے گا''۔ میں نے لسی کا ایک گھونٹ بھرا ''کیا وہ کسی کو بھی دیکھتے ہی اینٹ مار دیتا ہے؟''۔ نہلے نے نفی میں سر ہلایا، ''نہیں! ویسے تو باتیں کرتے رہیں تو لگتا ہی نہیں کہ پاگل ہے، لیکن بحث تھوڑی لمبی ہو جائے تو اچانک اینٹ اُٹھا لیتا ہے''۔ میں نے سر کھجایا، اگر واقعی ایسا تھا تو ماسٹر غاؤں غاؤں سے ملنا بہت ضروری تھا، میں جاننا چاہتا تھا کہ علم نے اُسے کیسے پاگل کیا، نہلے سے طے پایا کہ صبح وہ گاؤں والوں کے ساتھ مجھے ماسٹر سے ملوانے لے جائے گا، اگلے دن ناشتے کے بعد سارے گاؤں والے اکٹھے ہو گئے۔ اُن کے چہروں پر ایسی خوشی تھی گویا کسی میلے میں جا رہے ہوں، میں نے نہلے سے پوچھا کہ یہ لوگ ساتھ کیوں جا رہے ہیں؟ نہلے نے قہقہہ لگایا ''بس جی! شغل میلے کے شوقین ہیں، ویسے بھی یہ لوگ ماسٹر کے دماغ کو زیادہ سمجھتے ہیں، یہی ماسٹر سے بات چیت کریں گے، آپ نے بس پیچھے رہ کر دیکھنا ہے کہ ماسٹر کیسے پہلے پاگلوں والی باتیں کرتا ہے اور پھر اینٹ اٹھاتا ہے...'' میں نے ایک اہم سوال کیا ''کیا ماسٹر صاحب کے گھر والے بھی ساتھ رہتے ہیں؟''۔ نہلا ہنس پڑا ''نہیں! وہ شہر میں ہیں صرف ماسٹر ہی تماشا لگانے کے لیے یہاں رہ گیا ہے''۔ دس منٹ بعد ہم سب ماسٹر غاؤں، غاؤں کی رہائش گاہ کے قریب پہنچ گئے۔ اُن کے گھر کے باہر شیشم کا ایک درخت لگا ہوا تھا، میں نے دور سے دیکھا کہ گھنی چھاؤں میں ایک ساٹھ پینسٹھ سالہ عمر رسیدہ شخص کرسی پر بیٹھا عینک لگائے کوئی کتاب پڑھ رہا ہے، گاؤں کے سب لوگوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر محتاط انداز میں آگے بڑھنے لگے۔ نہلے نے میرا ہاتھ پکڑ کر وہیں روک لیا، گاؤں والے ماسٹر کے تھوڑا اور پاس آ گئے، شائد ماسٹر کو بھی لوگوں کی آمد محسوس ہو گئی تھی، اُس نے یکدم کتاب سے نظریں اٹھائیں اور لوگوں کی طرف دیکھا، کچھ دیر تک وہ اُنہیں گھورتا رہا، پھر اچانک اُس کے لبوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی، ''آؤ آؤ کیا پوچھنے آئے ہو؟''۔ مجمع میں سے ایک ہٹا کٹا نوجوان دو قدم آگے بڑھا ''ماسٹر صاحب! وہ پوچھنا تھا کہ چڑیل کو کیسے پکڑا جائے؟''۔ ماسٹر نے کچھ لمحے بات سنی، پھر تیوری چڑھائی ''کون سی چڑیل، کیسی چڑیل، کوئی چڑیل وڑیل نہیں ہوتی''۔ گاؤں والوں کی دبی دبی ہنسی نکل گئی، وہی نوجوان پھر بولا ''لیکن ماسٹر صاحب! جو بھی رات کو قبرستان والے راستے میں بوہڑ کے درخت کے نیچے سوتا ہے مر جاتا ہے، گاؤں کے تین لوگ مارے جا چکے ہیں''۔ ماسٹر نے کتاب بند کی اور بڑے پیار سے بولا ''دیکھو! یہ تو پرائمری کا بچہ بھی بتا سکتا ہے کہ درخت دن کو آکسیجن اور رات کو کاربن ڈائی آکسائیڈ خارج کرتے ہیں اسی وجہ سے رات کو کسی بھی درخت کے نیچے سونے سے آکسیجن کی کمی ہو جاتی ہے اور سونے والے کی موت ہو جاتی ہے، اس میں کسی چڑیل کا کوئی ہاتھ نہیں''۔ یہ سنتے ہی ساری فضا قہقہوں سے گونج اٹھی۔ نہلے نے فخریہ انداز میں میری طرف دیکھا ''دیکھا! کر دی ناں پاگلوں والی بات''۔

میں نے ماسٹر کی طرف دیکھا جو لوگوں کے قہقہے سن کر دانت پیس رہا تھا۔ گاؤں کا رنگ ریز آگے بڑھا ''ماسٹر صاحب! کالا رنگ کیسے بنتا ہے؟''۔ ماسٹر نے گردن اُس کی طرف گھمائی ''بھئی کالا رنگ کوئی رنگ نہیں ہوتا، یوں سمجھ لو جس چیز میں کسی رنگ کی ملاوٹ نہ ہو یعنی بے رنگ ہو وہ کالی ہوتی ہے''۔ سب لوگ ہنستے ہوئے لوٹ پوٹ ہو گئے، سوال کرنے والے نے بلند آواز کہا ''اوئے پاگل ماسٹر میرے بال سفید ہیں، میں ہر چوتھے دن خضاب

لگاتا ہوں پھر یہ سفید سے کالے کیسے ہو جاتے ہیں؟'' قہقہے بلند ہو گئے ماسٹر ایک دم کھڑا ہو گیا، سب لوگ چوکنے ہو گئے، ایک اور سوال آیا ''ماسٹر صاحب! چاند پر کھڑے ہو کر زمین پر پتھر پھینکا جائے تو کتنی دیر بعد نیچے گرتا ہے؟''۔ ماسٹر کے لہجے میں بے بسی امڈ آئی ''دیکھو! چاند اوپر نہیں زمین کے سامنے ہے اس لیے چاند پر کھڑے ہو کر زمین نیچے نہیں اوپر نظر آئے گی۔'' سب کی بتیسیاں نکل آئیں۔ یوں لگا جیسے پورے مجمع کو کسی نے مشترکہ گدگدی کی ہو، ماسٹر کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا، دیکھتے ہی دیکھتے وہ نیچے جھکا اور تیزی سے اینٹ اُٹھالی ایک ہڑبونگ سی مچی اور سب لوگ پیچھے ہٹ گئے، میں نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑایا اور ماسٹر صاحب کے قریب پہنچ گیا۔ ماسٹر غضبناک نگاہوں سے مجھے گھورنے لگا، نہلا اور دیگر گاؤں والے چیخ چیخ کر مجھے پیچھے ہٹنے کا کہہ رہے تھے۔ میں نے ایک نظر گاؤں والوں پر ڈالی، پھر ماسٹر صاحب کے پاس آکر پوری عقیدت سے ان کے اینٹ والے ہاتھ پر بوسہ دیا اور بولا ''ماسٹر صاحب! جہالت کا سمندر دلیل کے پتھر سے پار نہیں ہوتا۔'' ماسٹر صاحب کے ہونٹ کپکپائے، اینٹ ہاتھوں سے چھوٹی، آنکھوں میں نمی سی تیر گئی!!

شہاب صفدر شاعر
نذیرؔ بنارسی صاحب'

پیشکش: اعجاز زیڈ ایچ

نظم، غزل کے معروف ترین شعراء میں نمایاں شاعر ''نذیرؔ بنارسی صاحب'' کا شمار نظم اور غزل کے معروف ترین شاعروں میں ہوتا ہے۔ وہ بنارس میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد بنارس کے مشہور طبیب تھے۔ نذیر بھی طبابت کے اس آبائی پیشے سے وابستہ ہو گئے۔ شاعری میں نذیر کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے اپنی نظموں کے موضوعات اپنے آس پاس بکھری ہوئی زندگی کے حقیقی رنگوں سے چنے۔ انہوں نے اپنے وقت کی اہم سیاسی، سماجی، علمی اور ادبی شخصیات پر طویل نظمیں بھی لکھیں۔ نذیر کے شعری مجموعے 'گنگ وجمن' راشٹر کی امانت راشٹر کے حوالے' جواہر سے لال تک' 'غلامی سے آزادی تک' اور 'کتاب غزل' کے نام سے شائع ہوئے۔ نذیر کی شاعری ایک طور سے ان کے عہد کی سیاسی، سماجی اور تہذیبی اتھل پتھل کا تخلیقی دستاویز ہے۔

میرا فکاہیہ کالم- احمد شہزاد

لاک ڈاؤن - جذبہ حُب الزوجہ اور قیدِ بامُشقت

حکومتی لاک ڈاؤن کا اعلان ہوتے ہی بیگم نے لاؤنج میں مشیرِ اطلاعات کے انداز میں بریفنگ دیتے ہوئے کہا کہ گھر وہ واحد جگہ بلکہ قلعہ ہے جس کی فصیلوں میں ہم سب محفوظ ہیں۔ اس موقع پر جذبہ حُب البیت پر جذباتی تقریر بھی کی اور کہا گھر کا ہر فرد ایک سولجر کی طرح اس محاذ پر خون کا آخری قطرہ بہائے بغیر اپنے فرائض انجام دینے کا پابند ہوگا۔ اس سارے عمل میں آئسولیشن اور جسمانی فاصلہ یعنی keep distance کو ملحوظِ خاطر رکھنا ہوگا بعدازاں کرونا وائرس کی ہولناکیاں اور تباہ کاریاں اس طرح بیان کیں کہ مجھ سمیت معصوم بچے بھی سہم گئے۔ مزید کہا کہ دو محاذ اہم ہیں ایک صفائی اور دوسرا کچن، کام والی کو چھٹی دے دی گئی ہے لہٰذا صفائی کی ذمہ داری گھر کے سربراہ پر ہوگی لیکن میں خود نگرانی کروں گی۔ باقی ہدایات روزانہ کی بنیاد پر گوش گزار کی جائیں گی۔ پھر میری طرف دیکھ کر کہا کہ آپ گھر کے سربراہ ہیں اس موقع پر آپ بھی کچھ فرما دیں۔ پہلے تو بچوں کی طرف دیکھا جو سہمے ہوئے تھے پھر خود حوصلہ کر کے بمشکل کہا میرے عزیز گھر والو گھبرانا نہیں۔ اتنا کہنا تھا کہ بیگم نے گھوری ڈالتے ہوئے کہا ''ایڈے تسیں وزیرِ اعظم۔ حالات کی سنگینی کا اندازہ اس وقت ہوا جب بیگم نے الماری سے بیڈ شیٹ اور کمبل نکالا اور کہا کہ keep distance کا تقاضا ہے کہ میں الگ رہوں اور بچوں کے پلے روم میں جا رہی ہوں۔ اس پر میں نے کہا کہ آپ بیڈ پر سو جائیں میں صوفے پر دراز ہو جاؤں گا۔ بیگم نے ترنت جواب دیا کہ میں آپ کے جذبہ حُب الزوجہ سے خوب واقف ہوں اور یہ جذبہ کسی بھی وقت بیدار ہو سکتا ہے، بہتری اسی میں ہے کہ آئسولیشن میں رہا جائے۔

اس کے جاتے ہی یہ کیا ہو گئی کمرے کی صورت
نہ وہ گھر کی صورت ہے نہ ڈربے کی صورت

اگلی صبح مابدولت بیڈ پر ہی تھے کہ بیگم کی آواز پر آنکھ کھلی نیم دراز آنکھوں اور خوابناک فضا میں دیکھا کہ بیگم ہاتھ میں مگ لیے سرہانے کھڑی ہیں پوری ازدواجی زندگی میں پہلی بار بیڈ ٹی پانے کے تصور سے کمر کا لحاظ کیے بغیر فوراً چوکڑی مار کر بیٹھے۔ بیگم نے مگ ہاتھ میں پکڑایا اور کہا سیدھے باتھ روم میں جائیں اُونچی اُونچی آواز میں غرارے کریں نہ کہ سنک میں پانی بہا دیں اور یہ غرارے صبح شام کرنے ہیں۔ ہمارے بچپن میں ٹی وی پر ایک ایڈ آتا تھا صبح بنا کا شام بنا کا، صحت کا پیغام بنا کا، اب کیا ہے صبح غرارے شام غرارے، صحت کا

پیغام غرارے۔ یادرہے کہ بیگم کے غرارے کی طرف دھیان بالکل نہ جائے۔ غراروں سے ملتی ملتی تھی کہ بیگم نے ہمارے سر پر تولیا ڈالا اور کہا کہ کچن میں پانی گرم ہے دس منٹ تک سٹیم لیں۔ دل تو ہمارا کیا کہ تولیے سے سر نکال کر بیگم کو پوچھا کریں مگر آواز آئی اُونچے اُونچے سانس لیتے ہوئے سٹیم لیں۔ ہم نے کہا کہ اُونچے اُونچے سانس صرف پاکستانی فلمی ہیروئینیں ہی لے سکتی ہیں ہم تو آپ کے کمرے سے جانے کے غم میں صرف آہیں بھر سکتے ہیں۔

ناشتے سے فارغ ہوتے ہی بیگم نے کمانڈر سیف گارڈ بنتے ہوئے صفائی کی ہدایات جاری کیں۔ ہر فرد ایک ایک گھنٹے بعد ہاتھ کلائیوں سمیت دھوئے گا پھر ڈیٹول اور بلیچ ملے پانی کا محلول دیا کہ سارے گھر کا فرنیچر، قالین، پردے، سیڑھیوں کی ریلنگ اور جہاں جہاں ہاتھ لگنے اور نہ لگنے کا امکان ہے وہاں وہاں اسفنج کا پوچا پھیر دیں۔ ہم نے کہا کہ جیلر صاحبہ! حکومت نے گھر رہنے کا کہا ہے نہ کہ قیدِ بامشقت کا پروانہ جاری کیا ہے۔ اس سے پہلے کہ بیگم کی گھوری کا سامنا ہوتا یہ گنگناتے ہوئے چل دیئے۔

جانے کس جرم کی پائی ہے سزا یاد نہیں بیگم نے سامان کی لسٹ دیتے ہوئے کہا کہ باہر جائیں تو ہاتھوں پر گلوز، چہرے پہ ماسک، آنکھوں پر عینک اور سر پہ ٹوپی ضرور ہو۔ ہم نے عرض کیا اب کان ہی رہ گئے، کیا ان میں روئی نہ ٹھونس لیں؟ ایسے موقع پر ہمارے لیے ایک عدد گھوری تیار رہتی ہے سو ہم نے خندہ پیشانی سے سہی۔ سامان لے کر آتے ہی ہاتھ دھونے کا حکم صادر کیا پھر کہا کہ تمام سامان کو سینیٹائز کریں سبزیوں اور پھلوں کو سرکے ملے پانی سے دھوئیں۔ یہ سب کچھ کرنے کے بعد جب کھانا کھانے بیٹھے تو پتلی شوربے والی دال اور عجیب سی دو روٹیاں، ہم نے مسکین صورت بنا کر دیکھا تو گویا ہوئیں صبح جیلر کس کو کہہ رہے تھے اب بھگتیں۔ بیگم نے صفائی کی اتنی بار تلقین کی کہ نفسیاتی مریض کی طرح ہاتھ دھونے کی عادت ہوگئی متعدد بار ہاتھ دھونے سے ہاتھ کیا کلائیاں بھی چٹیاں ہو گئی ہیں اب کہہ سکتے ہیں چٹیاں کلائیاں او بے بی ساڈی چٹیاں کلائیاں۔ بیگم صفائی کے بارے میں بہت کونشئیس ہیں نہ صرف گھر کے اندر بلکہ باہر لان میں سپرے کا اہتمام کرایا مرغیوں کا ایک ڈربہ جس میں پلے ہوئے پانچ موٹے تازے چوزے تھے حکم دیا کہ ان کا دروازہ کھول دیں جہاں چاہیں چلے جائیں بہتیرا کہا کہ ذبح کر کے پکا لیتے ہیں کچھ امیون سسٹم ہی بہتر ہوگا کہنے لگیں نہیں، وائرس کا کچھ پتہ نہیں دروازہ کھلتے ہی وہ بھی شاید مالکن کے ڈر سے کہیں نکل گئے۔ حسرت اُن چوچوں پہ جو بن پکے بھاگ گئے بیگم نے بطور مشقتی کام لیتے ہوئے نہ صرف گھر کی سیٹنگ بار بار چینج کرائی بلکہ کمروں کے پردے بھی تبدیل کرا کرا اگلی پچھلی ساری کسریں نکال لیں۔ چھوٹے موٹے کام جنہیں ایک عرصے سے ٹالتے آرہے تھے وہ اپنی نگرانی میں ٹھیک کرائے۔ بیگم کی محبت میں بے بس شوہروں نے وہ کام بھی کیے ہیں جو واجب بھی نہیں تھے۔ (جاری ہے)

وہ چند سبق جو ہم نے پچھلے دنوں سیکھے

امجد مرزا امجد

1- زیادہ تر لوگ آسانی کے ساتھ گھر بیٹھ کر کام کر سکتے ہیں۔
2- ہم اور ہمارے بچے فاسٹ فوڈ کھائے بنا زندہ رہ سکتے ہیں۔
3- معمولی جرم کرنے والوں کو قید سے آزاد کرنا بہتر ہے۔
4- ہم محض دنوں میں ہسپتال بنا سکتے ہیں۔
5- ہم غریبوں پر کروڑوں روپے خرچ کر سکتے ہیں اور اس کے لیے ہمیں کوئی فیتہ کاٹنے یا تقریب کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔
6- ہم اپنی چھٹیاں یورپ یا امریکہ جائے بغیر بھی گزار سکتے ہیں۔
7- ترقی یافتہ قومیں بھی اسی طرح کمزور ہیں جس طرح کے غریب اقوام، بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ کمزور ہیں۔
8- ہمارا خاندانی نظام اب بھی صحیح سلامت ہے۔
9- اگر ہم سمجھداری سے استعمال کریں تو ہمارے پاس پیسہ بہت ہے۔
10- ہم غیر ضروری طور پر پیٹرول کی بڑی مقدار استعمال کرتے ہیں اس کا براہ راست برا اثر ہماری اکانومی پر پڑتا ہے۔
11- امیروں کے بچے غریب بچوں سے کہیں زیادہ کمزور ہیں۔
12- دولت مند لوگ طاقتور نہیں بلکہ کھوکھلے ہیں۔
13- ہر نئے فیشن ڈیزائنر کی لان خریدنا ضروری نہیں۔
14- بیوی کسی بیوٹی پارلر کا ہفتہ وار چکر لگائے بنا بھی اپنے شوہر کے ساتھ رہ سکتی ہے۔
15- بزرگ کسی بھی خاندان کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں۔
16- میڈیا محض وقت کا زیاں ہے۔
17- سکولوں نے غیر ضروری اور بیکار چیزوں کے لیے ہمارے بچوں پر خواہ مخواہ بوجھ ڈالا ہوا ہے۔

اللہ کا عذاب، ایمان اور ہمارا فرض

فہیم اختر لندن

جب انسان کسی مصیبت میں پھنس جاتا ہے تو ہم اور آپ اسے ایک آزمائش یا اسے اس کے گناہ کا سبب بتاتے ہیں۔ بچپن سے میں نے یہ بات اپنے گھر یا محلّے میں لوگوں سے کہتے ہوئے سنا ہے کہ جب کسی کی بیماری تشخیص نہیں ہو پاتی یا کسی کی موت ایک معمہ بن جاتی ہے تو ایسے لوگوں کو ہمارا معاشرہ اس کی خامی، اس کا گناہ یا اللہ کے عذاب سے جوڑ دیتا ہے۔ لوگ سچائی کو جاننا نہیں چاہتے اور سماج میں انہیں کافی حقارت کی نگاہ سے بھی دیکھا جاتا ہے۔ یوں بھی ہمارا معاشرہ سنی سنائی باتوں پر کافی یقین رکھتا ہے۔ آئے دن لوگوں کی زبانی ایسی ایسی باتیں سننے کو ملتی ہیں، جس سے ایک ذی شعور انسان کا جینا دوبھر ہو جائے۔ اور اگر بات حاجی ببن خان نے کہی ہو تو پھر کیا کہنے، وہ تو سچ ہوگا ہی کیونکہ حاجی صاحب جھوٹ کیسے بول سکتے ہیں۔ آج بھی ہمارے معاشرے کا عقیدہ اندھا ہے جس سے ہم اور آپ انکار نہیں کر سکتے ہیں۔ ہم روایتی باتوں اور خاندانی اصولوں پر اس قدر فخر کرتے ہیں گویا ہماری آنکھوں پر پٹی بندھی ہوتی ہے اور جس کی وجہ سے ہماری آنکھوں کے سامنے ایسا اندھیرا چھا جاتا ہے کہ اچھے اور برے کی تمیز مٹ جاتی ہے، ہم دیکھنے کے بجائے صرف سننا شروع کر دیتے ہیں اور سن کر دماغ کے دروازے ایسے بند کرتے ہیں کہ ہر سنی سنائی باتوں پر یقین اور عمل کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ ایسا ہی آج کل کورونا وائرس کی وبا پھیلنے کے بعد دیکھا جا رہا ہے۔

دنیا دو قسم کے لوگوں میں بٹ گئی ہے۔ ایک طبقہ اپنی سائنسی اور تہذیبی وقار کی بنا پر اس میں لگا ہوا ہے کہ کیسے اس مرض کو مزید پھیلنے سے روکا جائے تو وہیں دوسرا طبقہ مذہبی عقیدے اور الجھن میں اس بیماری کو اللہ کا قہر بتا رہا ہے۔ میں اس سے بہت حد تک اتفاق بھی کرتا ہوں کہ کورونا وائرس کا قہر کوئی معمولی نہیں ہے۔ اور دنیا کا نظام جس طرح سے درہم برہم ہوا ہے اس سے تو اس پر یقین کرنے میں کوئی جھجک نہیں ہو رہی کہ ایسا ہونا واقعی اللہ کا قہر ہے کہ کورونا وائرس ایسی بیماری میں مبتلا کر دے رہا ہے جس کا کوئی علاج ہی نہیں ہے اور اس بیماری کی وجہ سے انسان فوری طور پر موت کی آغوش میں چلا جا رہا ہے۔ اب تو کورونا وائرس کے اثرات نے پوری دنیا کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا ہے کہ یہ کوئی بیماری ہے یا واقعی اللہ کا قہر ہے۔ اگر آپ تاریخ عالم کا مطالعہ کریں گے تو پتہ چل جائے گا کہ اس سے قبل قوموں کے زوال کا ایک ہی سبب تھا یعنی اللہ کی نافرمانی میں مبتلا ہو جانا اور اپنے وقت کے پیغمبروں کو جھٹلانا۔ اللہ تعالیٰ نے کسی قوم کو اچانک ہلاک نہیں کیا بلکہ ان کے پاس اپنے بندوں کو بھیجا تاکہ وہ اُس قوم کی اصلاح کر سکیں اور انہیں نصیحت کر سکیں۔ لیکن جب لوگوں نے اُن کی نصیحت کو ٹھکرایا اور اپنی مرضی سے زندگی بسر کرنے لگے تو اللہ نے قومِ نوح، قومِ لوط، قومِ عاد، قومِ سبا، اور قومِ شعیب کو مختلف طریقوں سے ہلاک کیا۔ جن قوموں نے من مانی کی ان پہ عذاب آ کے رہا اور اسے ہلاک ہونے سے کوئی نہیں بچا سکا لیکن ایک قومِ یونس تھی جنہوں نے عذاب کے آثار کو دیکھ کر کثرت سے توبہ استغفار کی اور اللہ نے ان پر آنے والے عذاب کو ٹال دیا۔

يَا أَيُّهَا الْإِنسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ 'اے انسان! تجھے کس چیز نے اپنے رب کریم کے بارے میں دھوکے میں ڈال دیا'۔ (الانفطار: 6)

قرآن کا مطالعہ کیا جائے تو ہمیں اس کا علم ہوتا ہے کہ اللہ نے اس سے قبل بھی کئی قوموں کو سزا دی ہے اور تباہ و برباد بھی کیا ہے۔ اللہ جب انسانوں کی نافرمانیوں پر نظر کرتا ہے، جب انسان زندگی کے شعبے میں ظلم و زیادتی کرتا ہے، جب انسان اللہ کے حرام کو خود ہی حلال کرنے لگتا ہے، جب انسان اپنے ظلم کو عدل اور اپنے گناہ کو نیکی سمجھنے لگتا ہے، جب انسان اپنی بدکرداری کو اپنی برتری تصور کرنے لگتا ہے، جب انسان معاشرے کے غریب اور کمزوروں کا مال ہڑپ کر کے اسے اذیت پہنچاتا ہے، جب ایمان کی قدریں کمزور اور شر کی اقدار فروغ پانے لگتی ہیں اور جب عبادت و بندگی کو عار سمجھا جانے لگتا ہے، تو اللہ کا غضب قدرتی آفات اور وبائی امراض وغیرہ کی صورت میں زمین پر نازل ہوتا ہے۔ اس روشنی میں موجودہ کورونا وائرس کا پوری دنیا میں پھیلنا اللہ کی ناراضگی کی ایک سچّی مثال معلوم ہوتی ہے۔ ورنہ کل تک خود سُپر پاور کہنے والے، پوری دنیا پر حکومت کرنے والے ممالک آج بے بس ہو کر گھٹنے ٹیک دیئے ہیں۔ سبھوں کو اپنی جان بچانے کی فکر ہے اور لوگوں میں عجیب سی اضطرابی کیفیت پائی جا رہی ہے، پوری دنیا میں نفسی نفسی کا عالم ہے۔

وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ۔

'اور تم سب کے سب اللہ کے حضور توبہ کرو اے مومنو! تاکہ تم (ان احکام پر عمل پیرا ہو کر) فلاح پا جاؤ'۔ (النور: 31)

اللہ رحیم اور کریم ہے اور اس نے توبہ کا دروازہ سب کے لیے ہمیشہ کھلا رکھا ہے۔ اس آیت کریمہ نے واضح کر دیا ہے کہ اللہ کے غضب اور عذاب سے بچنے کا واحد طریقہ توبہ استغفار ہے۔ جسے ہم اور آپ انفرادی اور اجتماعی طور پر ہمیشہ

کرتے رہتے ہیں۔لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ ہم اللہ سے جتنی جلدی توبہ اور استغفار کرتے ہیں اتنی ہی جلدی ہم دوبارہ گناہ کر بیٹھتے ہیں۔ مجھے اس بات کا اعتراف کرتے ہوئے کوئی جھجک نہیں کہ آج مسلمان کی پستی اور ذلالت کی ایک وجہ ہماری منافقت اور ریا کاری بھی ہے۔ ہماری نجی زندگی سے لے کر کاروبار، نوکری اور دیگر کاموں میں ہمارے اندر ذرہ بھر بھی ایمانداری نہیں ہے۔ ہم زندگی بھر جھوٹ اور دغا سے کام لیتے ہیں اور اس خوش فہمی میں مبتلا رہتے ہیں کہ حج کی ادائیگی سے اللہ ہمارے سارے گناہ معاف کر دے گا۔ جو کہ خود سے ایک بہت بڑا فریب ہے اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو صرف عبادت پر قائم نہیں ہے۔ اِسلام نے عبادت کو انسان کی زندگی سے ایسے منسلک کیا ہے کہ انسان برائی، جھوٹ، مکاری، ظلم، بدکرداری، بے حیائی، وغیرہ سے محفوظ رہے۔لیکن افسوس کا مقام یہ ہے کہ ہم عبادت کر کے اس خوش فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ اللہ ہمارے گناہوں کو معاف فرما دے گا اور پھر دوسرے لمحے ہی ہم دنیا کی رنگ رلیوں میں مصروف ہو جاتے ہیں۔جس کا احساس ہمیں قدرتی آفات اور وبائی امراض میں مبتلا ہونے کے بعد ہوتا ہے اور پھر ہم اللہ کو شدت سے یاد کرنے لگتے ہیں اور اپنے گناہوں کی معافی کے لیے ان کے حضور گڑگڑاتے ہیں۔

1960 میں پہلی بار کورونا وائرس کا علم ہوا پھر اس کے بعد کورونا وائرس گروپ کا علم وقفے وقفے سے پوری دنیا کو ہوا۔ اسی کورونا گروپ کے کووِیڈ 19 کی شروعات جنوری 2020 میں چین سے ہوئی۔ ہزاروں انسانوں کی جانیں چلی گئیں اور دنیا کے ماہرین، سائنس داں اور سوپر پاور بے بس نظر آ رہے ہیں اور انہیں سمجھ میں نہیں آ رہا کہ وہ کریں تو کیا کریں۔ دنیا کے بڑے بڑے لیڈر جنہیں اپنی طاقت پر بڑا ناز تھا اور جن کی باتوں سے دنیا کے بیشتر ممالک کو خوف اور دہشت ہوتی تھی وہ آج کورونا کے خوف سے اپنے گھر کے کسی کمرے میں بند ہو گئے ہیں۔ گویا ہر کسی کو اپنی جان بچانے کی فکر ہے۔ وہیں کورونا وائرس ایک سازش بھی بتائی جا رہی ہے۔ ممکن ہے جس طرح سے کورونا وائرس کی شروعات چین سے ہوئی اور اب یورپ اور امریکہ اس کی زد میں آ گئے ہیں اس سے انکار بھی نہیں کیا جا سکتا ہے۔لیکن اتنا تو طے ہے کہ کورونا وائرس کی وجہ سے پوری دنیا کی معیشت کی کمر ٹوٹ چکی ہے اور جسے دوبارہ اپنی پہلی سی صورت اختیار کرنے میں ایک عرصہ لگ سکتا ہے۔ موجودہ صورتِ حال میں ہمیں اللہ پر پورا یقین اور ایمان رکھنا چاہیے۔ ممکن ہے اللہ ہمارا امتحان لے رہا ہو۔ اس خوف زدہ ماحول میں ہمیں صبر کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے۔ ہمیں اپنے گھروں اور محلّوں میں ان لوگوں پر نظر رکھنی چاہیے جو ضعیف اور بے سہارا ہیں۔ ہمیں اپنے اپنے طور پر ہر ممکن لوگوں کو امداد پہنچانی چاہیے۔ ہمیں طبی امداد پہنچانے والے تمام لوگوں کا شکر گزار ہونا چاہیے اور ان کی عزت اور ان کا احترام کرنا چاہیے۔ گھبراہٹ اور الجھن سے گریز کرنا چاہیے۔ ہمیں کھانے پینے کی چیزوں کو حاصل کرنے کے لیے گھبرانا نہیں چاہیے۔ اسلام میں ہر سال روزہ رکھنا ایک اہم فریضہ ہے۔ ایسے موقع پر اگر ہم ایک وقت کم کھائیں گے تو اس سے ہمارے ایمان کی مضبوطی کا ثبوت ملے گا۔ تاہم ہمیں کچھ اناج بھی آنے والے دنوں کے لیے محفوظ رکھنا چاہیے۔ معذوروں اور ضعیفوں کا ہمیں خاص خیال رکھنا چاہیے کیونکہ سماج میں ان کی دیکھ بھال کرنا ہم سب کا اولین فرض ہے۔ حضرت محمد ﷺ نے ہمیشہ پریشانیوں اور مصیبتوں میں اللہ سے دعا مانگی، جس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ موجودہ وقت میں ہمیں زیادہ سے زیادہ اللہ سے دعا مانگنی چاہیے۔ حضرت محمد ﷺ جب مریض کے پاس عیادت کے لیے جاتے تو اس کے سرہانے بیٹھتے اور سات بار یہ دعا پڑھتے۔

أَسْأَلُ اللهَ الْعَظِيمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ أَنْ يَشْفِيَكَ۔

(میں، عظمت والے اللہ جو عرش عظیم کا مالک ہے، سے دعا کرتا ہوں کہ وہ تمہیں شفا دے)۔ آج کورونا وائرس کے قہر سے دنیا کا بیشتر انسان متاثر ہے۔ کسی کی روزی روٹی تو کسی کا جانی و مالی نقصان ہو رہا ہے۔ پوری دنیا میں افراتفری کا ماحول ہے اور ہم اپنے گھروں میں بند ہونے کے لیے بے بس ہو چکے ہیں۔ پھر بھی ہمیں اللہ پر پورا بھروسہ ہے۔ کیونکہ اللہ ہی اس مرض سے ہمیں محفوظ رکھ سکتا ہے۔ میری اللہ سے دعا ہے کہ یا اللہ ہمیں معاف کر دے اور ہمارے توبہ کو قبول فرما کر ہم سب کو اس وبائی مرض سے بچا لے۔

لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ۔ آمین۔

صحت کے راز

- اپنے دماغ کو بہتر رکھنا ہے تو آٹھ گھنٹے کی نیند ضرور کریں
- اپنی آنکھوں کو بہتر رکھنا چاہتے ہیں تو سونے سے پہلے اپنے پاؤں پر تیل کی مالش کریں
- اگر آپ اپنے معدے کو بہترین رکھنا چاہتے ہیں تو ٹھنڈی چیزوں سے پرہیز کریں
- اگر آپ اپنے جگر کو بہترین رکھنا چاہتے ہیں تو بازاری کھانا اور فاسٹ فوڈ بند کر دیں
- اگر آپ اپنے گردوں کو بہترین رکھنا چاہتے ہیں تو سونے سے پہلے باتھ روم سے فارغ ہو لیا کریں
- اگر آپ اپنے مثانے کو بہترین رکھنا چاہتے ہیں تو کچا پیاز زیادہ استعمال کریں
- اگر آپ اپنڈکس سے بچنا چاہتے ہیں تو لیموں کا استعمال کریں
- اگر آپ اپنے گلے کا خیال رکھنا چاہتے ہیں تو کھانے میں کالی مرچ کا استعمال کریں
- اگر آپ اپنے پھیپھڑوں کا خیال رکھنا چاہتے ہیں تو تمباکو نوشی بالکل بند کر دیں
- اگر آپ اپنے ناک کا خیال رکھنا تو پودینہ کا استعمال کریں
- اگر آپ اپنے دل کو تندرست رکھنا چاہتے ہیں تو نمک اور چکنائی کا استعمال کم سے کم کریں

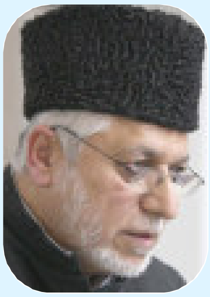

مشہور مصنف، ادیب وشاعر رانا عبدالرزاق خاں کی
چوہدری سر ظفراللہ خاں صاحب پر لکھی گئی کتاب ''سپوت ایشیا'' پر تبصرہ

حرفِ تعارف از- محترم عطاء المجیب راشد صاحب امام مسجد فضل لندن

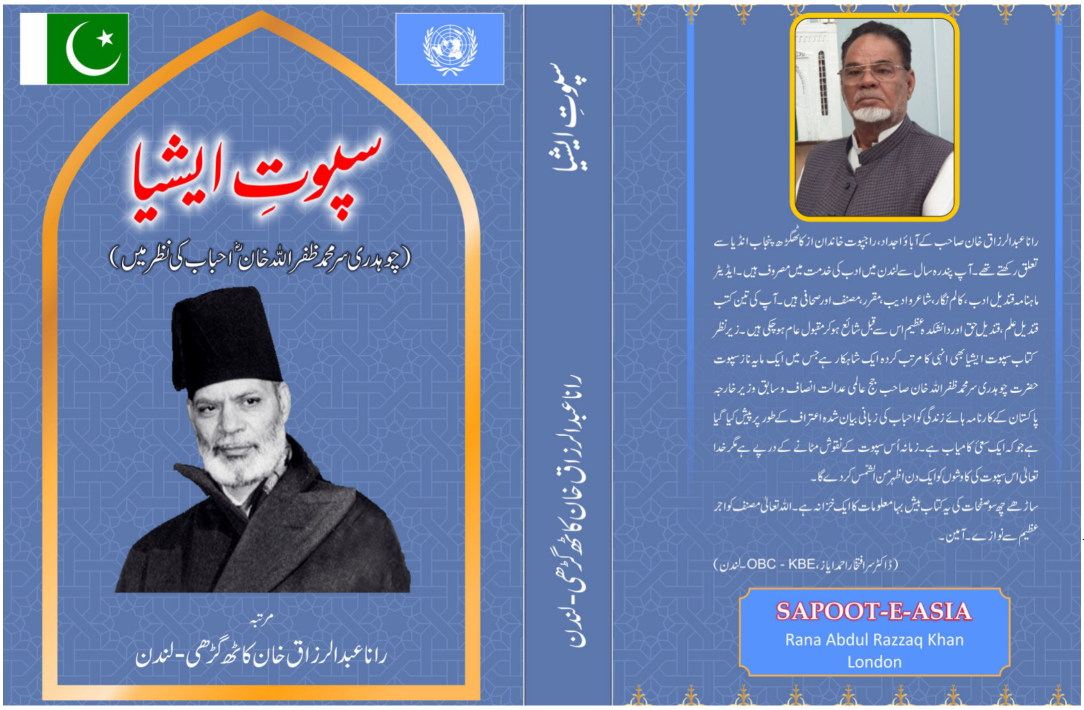

کتاب لکھنا کچھ آسان کام نہیں۔محنتِ شاقہ کے بعد ایک کتاب منصۂ شہود پر آتی ہے اور اگر کتاب کسی ایسے موضوع پر ہو جو وسیع بھی ہو اور مشکل بھی۔ جس پر کئی پہلوؤں سے اظہارِ خیال کیا جا چکا ہو اور جس کے لئے مواد تو بہت ہو لیکن پھیلا ہوا ہو پھر موضوع ایسا ہو جس کو نظر انداز کرنے کے لئے بہت سے طبقات متحرک رہے ہوں ان ساری مشکلات میں سے گزرتے ہوئے ایک مفصل جامع اور مبسوط کتاب لکھنا یقیناً! جوئے شیر لانے کے مترادف ہے لیکن خوشی کی بات یہ ہے کہ محترم رانا عبدالرزاق خاں صاحب نے یہ دُشوار گزار منزل طے کر لی ہے۔اور حضرت چوہدری سر محمد ظفراللہ خاں صاحب کے بارہ میں لمبے عرصہ کی محنت شاقہ کے بعد ایک جامع معلوماتی اور مبسوط کتاب لکھنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔یہی کتاب اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے۔میں اس کامیاب کاوش پر محترم رانا عبدالرزاق صاحب کو داد دیتا ہوں۔ایک لمبے عرصہ سے اس نوعیت کی کتاب کی بہت ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔جو الحمدللہ آج پوری ہو گئی ہے۔

مجھے وہ وقت یاد آ رہا ہے جب ایک روز محترم رانا صاحب میرے دفتر میں تشریف لائے۔اور مجھ سے کہا کہ مجھے کوئی موضوع بتائیں جس پر میں کوئی جامع کتاب مرتب کروں۔فوراً ہی میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ ''حضرت چوہدری سر محمد ظفراللہ خاں صاحب مرحوم ومغفور'' کے بارہ میں اپنوں اور غیروں نے بہت کچھ لکھا ہے۔لیکن یہ سب کتب ملا کر بھی قوم وملت کے اس عظیم خادم کی عالمگیر خدمات کو پورا خراج عقیدت پیش نہیں کرتیں جو اس عظیم المرتبت انسان کا حق ہے۔اس جاں نثار اور بے ریا انسان نے جس میدان میں بھی قدم رکھا۔اللہ تعالیٰ کے فضل سے کامیابی نے ان کے قدم چومے۔ آپ نے خدمت کا حق ادا کیا۔لیکن نمود ونمائش سے کوسوں دور رہے ضرورت ہے کہ اس شخصیت کی زندگی کے گمنام گوشوں کو اور اس کی خدمات کو اُجاگر کیا جائے۔جنہیں مخالفین نے عمداً تاریخ کے صفحات سے حذف کر دیا ہے اور یہ مذموم کوشش آج تک جاری وساری ہے۔

میں نے محترم رانا عبدالرزاق خاں صاحب سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ حضرت چوہدری سر محمد ظفراللہ خاں صاحب کی گرانقدر خدمات کو اُجاگر کرتے ہوئے ایک ایسی جامع کتاب مرتب کریں جس میں ہندو پاک کے اس نامور سپوت اور عالم اسلام کے اس بے ریا خادم کی بےلوث خدمات کو جمع کر دیا جائے اور ان تصاویر کو بھی شامل کتاب کریں جن کو متعصب تاریخ نویسوں نے حذف کر کے بزعم خود ملک وقوم کی خدمت سرانجام دی ہے۔

محترم رانا عبدالرزاق خاں صاحب کی یہ خوبی ہے کہ جس کام کو شروع کریں پھر اس کو پایہ تکمیل تک پہنچا کر ہی دم لیتے ہیں۔ان کی سالہا سال کی محنت کا پھل اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا کیا۔میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس محنت کی جزائے خیر عطا فرمائے آمین۔

***

پہلے اپنے دل کا آئینہ صاف کیجیے

رجل خوشاب

چند سال ہوئے ہمارے ہمسائے میں نئے پڑوسی آ کر رہنے لگے۔اس جوڑے کے گھر کی کھڑکیوں سے نے آنے والے دیکھائی دیتا۔یہی وجہ تھی اس جوڑے کی بیوی ان کے گھر تانک جھانک کے رکھتی اور گاہے بگاہے اس گھر کے مختلف معاملات پر اپنے شوہر کو خبر بھی دیتی اور بلا روک ٹوک تبصرہ بھی کرتی۔ یہ دونوں میاں بیوی ناشتے میں مشغول تھے تو سامنے گھر کی خاتون نے کپڑے دھو کر تاروں پر ڈالے۔ بیوی کی نظر کپڑوں پر پڑی تو تبصرہ کرتے ہوئے کہنے لگی یہ کیسے لوگ ہیں کپڑے بھی صحیح سے نہیں دھونے آتے۔ابھی تک گندے ہی کپڑے تار پر ڈال دیئے ہیں۔شوہر بیوی کی ایسی باتوں کو اگنور کر دیا کرتا۔کچھ دن گزرے پھر ایسا ہی ہوا تو عورت نے اپنے شوہر سے اس پر تبصرہ کیا کہ دیکھیں کیسے لوگ ہیں ابھی تک ان کو کپڑے دھونے نہیں آتے۔کیسے گندے لوگ ہیں۔انہیں چاہیے یا تو کچھ خرچہ کر کے اچھا صابن لے آئیں یا کسی عقل مند سے کپڑے دھونا سیکھ لیں۔خیر شوہر نے معمول کی مسکراہٹ بکھیری اور ناشتہ کرنے لگا۔ اب جب بھی پڑوسی کپڑے دھوتے تب ہی یہ خاتون ایسے مبالغہ آمیز تبصرے کرتیں اور شوہر ہر دفعہ معمول کی مسکراہٹ بکھیر کر دفتر چلا جاتا۔کافی دنوں بعد ایک صبح پھر ایسا ہوا لیکن اس مرتبہ تبصرہ نگار خاتون کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا کہ یہ کیا آج تو انہوں نے بڑے صاف کپڑے دھوئے ہیں۔ آج تو لگتا ہے کسی سے کپڑے دھونا سیکھ لیا ہے یا صابن اچھے والا لے آئے ہیں۔اوہو آپ دیکھیں نہ۔شوہر کو متوجہ کرتے ہوئے وہ خاتون بولے جا رہی تھی۔شوہر نے سکوت توڑا مسکرایا اور کہا آج صبح میں جلدی اُٹھ گیا تھا تو میں نے اپنی کھڑکی کا شیشہ صاف کر دیا جس سے تم پڑوسیوں کے گھر دیکھتی ہو.جی ہاں یہ کہانی انسان کی مکمل زندگی کی عکاسی ہے ناکامی کی علامات میں سے بے جا تنقید کرنا بھی شامل ہے۔ہم اپنے دل کے آئینے سے گرد صاف نہیں کرتے اسی لیے لوگ ہمیں میلے عیب دار خراب بے عقل نظر آتے ہیں۔پٹی ہماری آنکھوں پر بندھی ہوتی ہے اور ہم دوسروں کو اندھیرے میں سمجھتے ہیں ابھی ہماری عقل اور سوچ پختہ نہیں ہوئی ہوتی ہم دوسروں کو کم عقل اور کند ذہین سمجھ رہے ہوتے ہیں ۔یہ تو ایسا ہی ہوا کہ یرقان کا مریض جس کی آنکھیں بیماری کی وجہ سے پیلی ہو چکی ہوتی ہیں اسے ساری دنیا ہی پیلی نظر آتی ہے ہر چیز زرد نظر آتی ہے۔ہم لوگوں کا فی زمانہ سب سے بڑا مسئلہ یہ ہی ہے کہ ہم خود سکون سے جی نہیں رہے ہوتے اور دوسروں کی زندگی کے مسائل کو موضوع بحث بنایا ہوتا ہے کبھی بیٹھ کر اپنے عیبوں اور کمی کجیوں کی فہرست نہیں بنائی دوسروں کا لمحہ لمحہ نوٹ کر رہے ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے ہماری زندگیاں بے سکون ہوئی پڑی ہیں ہر شخص دوسرے کے عیبوں کی تلاش میں ہے اور اپنے گناہوں کو سرشت آدم سمجھ کر ٹال رہا ہے۔اپنی آنکھوں کی کھڑکی کے سامنے سے افسانے گمان خوش فہمیاں تکبر اوور کانفیڈینس جیسی پٹیاں اتارنا ہوں گی تبھی ہی زندگی کا لطف لیا جا سکتا ہے ورنہ یہ عیوب ہمیں کہیں کا نہیں چھوڑیں گے۔اصلاح کا سفر اپنے آپ سے اپنے اندر کی تبدیلی سے شروع ہوگا۔دوسروں میں جھانکنے سے پہلے اپنے من میں جھانکیئے۔جب اپنا آئینہ صاف ہوگا تو ہر چیز صاف دیکھائی دے گی۔سب بندے اچھے دیکھائی دیں گے۔

اردو کے گمشدہ الفاظ

اے۔آر۔راجپوت

کم لوگ ہیں جوان گم شدہ الفاظ کو جانتے ہوں گے۔دل چاہا نئی نسل کو ان سے روشناس کیا جائے۔ رکابی..... پلیٹ۔سینی..... گول بڑی پلیٹ یا پلیٹر سلفچی.....خوبصورت سا پیتل کا ایک برتن جس میں مہمانوں کے ہاتھ کھانے پہلے دھلوائے جاتے ہیں۔الگنی.....وہ رسی جس کو دیوار پہ باندھا جاتا ہے اور اس پہ کپڑے سکھائے جاتے ہیں۔طاق.....دیوار میں بنی ایک چھوٹی سی بغیر دروازے کی کھڑکی جس میں سرِ شام چراغ جلا کے رکھے جاتے تھے۔گھڑونچی.....لکڑی سے بنایا گیا ایک سٹینڈ جس میں اوپر کی جانب دو یا تین بڑے بڑے سوراخ ہوتے ہیں جس میں مٹکوں کے پیندے سما جاتے ہیں تا کہ گرنے سے بچ سکیں۔نعمت خانہ.....لکڑی سے بنایا گیا ایک خوصورت سا ڈبہ جس کی لمبائی چوڑائی ایک بڑے فریج کے برابر ہوتی ہے لیکن اس کی دیواریں چاروں طرف سے جالی کی لگائی جاتیں ہیں تا کہ اس میں ہوا گزرتی رہے اور میں رکھی کھانے کی چیزیں ٹھنڈی رہیں اور خراب نہ ہوں۔تلہ دا..... چوکور کپڑے کو مثلث نما سیا جاتا ہے اور اس کے ایک کونے پر ایک خوبصورت ڈوری لگائی جاتی ہے جس سے اسے گول کر کے باندھ دیا جاتا ہے۔ یہ عموماً سوئی دھاگہ ریلیں رکھنے کے کام آتی ہے۔بگونہ.....ایک کھلے منہ کی چھوٹے کنارے کی پتیلی جس میں عموماً چاول پکائے جاتے ہیں۔بادیہ.....تانبے کا بنا بڑا سا کھلے منہ کا کٹورہ جس میں بچا ہوا گوندھا آٹا رکھا جاتا ہے۔کٹورہ..... یہ بھی تانبہ کا بنا ایک خوبصورت کٹ ورک سے بنا برتن ہوتا ہے جس کے اوپر اس کا ڈھکن جو آسانی سے کھولا اور بند کیا جا سکے۔اس کی جگہ آج کل ہاٹ پاٹ نے لے لی ہے۔چھینکا..... یہ لوہے کے چپٹے تاروں سے بنا جو آج کل کے مکرامے جیسا ہوتا تھا۔اسے ایک کنڈے میں چھت سے لٹکا دیا جاتا تھا جس میں دودھ کی دیگچی یا سالن کی پتیلیاں وغیرہ رکھ دی جاتی تھیں تا کہ ٹھیک رہیں۔اردو بولیں، اردو پڑھیں، اردو لکھیں۔

***

برمنگھم کے پرویز مظفر
نئی غزل کے علامتی شاعر

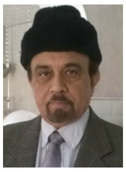

ڈاکٹر منور احمد کنڈے، ٹیلفورڈ، انگلینڈ

بہت سی اصناف سخن متروک ہوجانے کے باوصف شعری اصناف کی اردو ادب میں کمی نہیں ہے بلکہ تجدید گم شدہ اصناف نئی نئی صنف سخن کی اختراع جاپان اور مغربی ممالک سے اصناف شعریات کی ملک میں درآمد کے سبب ان میں اضافہ ہی ہوا ہے اب سہ مصرعی صنف سخن ثلاثی ماہیا ہائیکو تروینی کے علاوہ اردو دوہا نثری نظم ترائیلہ اور سانیٹ کو بھی وسیلہ اظہار بنا کر شعری ذوق تسکین بہم پہنچائی جاسکتی ہے لیکن اس صداقت آمیز حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں کہ جو بات غزل میں ہے وہ کسی اور میں نہیں ہے۔ غزل کو آج بھی سرتاج صنف کا درجہ حاصل ہے۔ مافی الضمیر کو جامعیت اور اختصار کے ساتھ شگفتگی و نغمگی کے دلکش و دلآویز لہجے۔ میں بڑے ہی بھرپور اور موثر انداز میں پیش کرنے کی جو صلاحیت اس کے دو مصرعوں میں موجود ہے وہ کسی اور صنف سخن میں نہیں ہے یہ اور بات ہے کہ غزل کو نامساعد حالات کا بھی سامنا رہا ہے۔ اور اس پر بُرے وقت بھی آئے ہیں۔ انتقادیات کے نام نہاد فاشٹوں اور سفاکوں نے اسے نیم وحشی صنف اور قابل گردن زدنی بھی قرار دیا ہے مگر جب کہ دشمنان غزل پیوند زمین ہو چکے ہیں غزل آج بھی نہ صرف یہ کہ زندہ و سلامت ہے بلکہ اس بت صد ہزار عشوہ طراز نے اپنی تمام تر حشر سامانیوں اور جلوہ آرائیوں سے بڑے بڑے پرغرور نخوت پسندوں کو اپنے قدموں میں سر رکھ دینے پر مجبور کر دیا ہے۔ اس کا دامن آج پہلے سے بھی زیادہ وسعت پذیر ہو چکا ہے اور یہ زندگی کے ہر شعبے ہر موضوع ہر فکر اور ہر طرح کے احساسات وجذبات کی نمائندگی و ترجمانی کے فرائض باحسن وخوبی انجام دے رہی ہے۔

پرویز مظفر جو ہندوستان کے اور عالمگیر حیثیت کے نام نہاد اور مقبول وممتاز شاعر جناب مظفر حنفی کے فرزند ارجمند ہیں اور اب انگلستان میں اقامت پذیر ہیں افق ادب پر بطور شاعر طلوع ہو چکے ہیں۔ اگرچہ موصوف نے حمد، نعت، منقبت، قطعہ اور نثری نظمیں بھی تخلیق کی ہیں لیکن ان کا سرمایہ افتخار اگر ہے تو صرف غزل ہے۔ وہ غزل کے ایک ایسے عاشق صادق ہیں کہ اپنا لہو دے کر اس کی آبیاری کرتے ہیں۔ شاعری انہیں ورثے میں ملی ہے۔ اس لئے غزل کی باریک بینی کے ہنر اس کی نزاکت ونفاست، فصاحت وبلاغت اور اس کے جملہ اسرار و رموز ونکات سے بخوبی واقف ہیں اور عروض پر بھی قدرت کاملہ رکھتے ہیں۔ ان کا کلام نہ صرف امریکہ اور انگلستان میں بلکہ ہندوستان اور پاکستان کے معیاری رسائل وجرائد میں بھی بڑے اہتمام کے ساتھ شائع ہوتا رہتا ہے۔

پرویز عصر حاضر کی نئی غزل کے نمائندہ شاعر ہیں۔ وہ سادہ الفاظ سادہ لہجے اور سادہ زبان میں بڑی بڑی حکیمانہ اور فلسفیانہ باتیں بیان کر دینے کے فن میں طاق ہیں۔ ان کی شاعری محض دل کی بھڑاس نہیں ہے بلکہ مثبت یا منفی ردعمل ہے ہمارے ان عصری حالات اور واقعات کا جو ہماری دنیا میں وقوع پذیر ہوتے رہتے ہیں۔ یہ خوشگوار بھی ہوتے ہیں اور افسوسناک بھی اگر شاعر کا ذہن بیدار ہے حساس ہے مطالعہ ومشاہدہ وسیع ہے، فہم وفراست سے متصف ہے علت ومعلول کو صرف نظر نہیں کرتا منطقی فکر رکھتا ہے۔ حقائق کو صحیح رنگ دیکھنے کا درک حاصل ہے تو اس کی شاعری بھی منطقی فکر کی حامل اور عصری مزاج کی ترجمان سچی اور کھری شاعری ہوگی پرویز مظفر کا مطالعہ ومشاہدہ وسیع ہے۔ وہ معاشرے اور ماحول میں پیدا شدہ ردّوبدل اور اس کے انسانی زندگی پر انسلاکات کو اپنے فکر وشعور کی روشنی میں دیکھنے سمجھنے اور پرکھنے کی کوشش کرتے ہیں اور ان کے اس عمل سے جو بھی منطقی نتائج برآمد ہوتے ہیں اسے وہ شعری پیکر میں ڈھال لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری کے آئینے میں ہمیں اپنا چہرا اپنا خاندان اپنا ماحول اور اپنا معاشرہ صاف طور پر دکھائی پڑتا ہے۔ ان کا کلام پڑھ کر ہمیں احساس ہونے لگتا ہے کہ ہم نے کیا کیا کھو دیا ہے اور کیا کیا پایا ہے۔ اور یہ بھی کہ مادی ترقی اور معاشی خوش حالی کے باوجود بھی پرامن اور پرمسرت زندگی بسر کرنا ممکن ہے۔ پرامن اور پرمسرت زندگی کے لئے روحانی اور تمدنی اعلیٰ قدروں کی پاسداری ناگزیر ہے۔ پرویز مظفر شاعری میں سپاٹ قسم کے بیانیہ یا خبرنامہ جیسی اطلاعاتی زبان پر علامت واستعارے کی زبان کو ترجیح دیتے ہیں۔ ان کی بات کو سمجھنے کے لئے ضروری ہوجاتا ہے کہ پہلے ان کی علامات واشارات اور تشبیہ واستعارات کی مزاج آشنائی حاصل کی جائے۔ ان کے واقعاتی اور فکری منظرنامے دیکھنے کے لئے علامتوں کا جھروکہ کھلا رکھنا ضروری ہوجاتا ہے۔ پرویز نے بیشتر غزلیں چھوٹی بحر میں کہی ہیں اور بحریں بھی غیر شگفتہ ہیں جن میں نغمگی کی چاشنی اور تغزل کی

موسیقیت کی سحرکاری کا امکان روشن نہیں ہے۔ان کی غزلیں رومان پسند نوجوانوں کے دل کی دھڑکن نہیں بن سکتیں لیکن اہل نظر اور باشعور قارئین کو اپنا ہم خیال بنا سکتی ہیں کیونکہ جہان طلسمات کی فرضی داستانیں بیان کرنے کے بجائے انہوں نے زندگی کی تلخ اور کھردری سچائیوں کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے۔سماج کی بدی پرور بے راہ رویوں ناہمواریوں بدعنوانیوں اور بے ضابطگیوں سے زندگی کا غارت ہوتا ہوا امن وچین دردوکرب بن کران کی شاعری کو المیہ موڑ دے دیتا ہے۔

اپنی چھاتی میں دل پتھر دیکھا
دنیا سے جو تھوڑا ہٹ کر دیکھا
خوشبو بیٹھی تھرتھر کانپ رہی تھی
جب ہم نے غنچے کے اندر دیکھا

بدلتے ہوئے زمانے کے ساتھ آج معیارات کا پیمانہ ہی بدل کر رہ گیا ہے۔روحانیات اور وراثتی معیارات کو بودم قرار دے کر آج کے انسان جھوٹ کو مصلحت کا نام دے دیا ہے ظاہر اور باطن فرق آ جانے سے وہ بے ضمیر ہو کر دہرے معیارات کے تضاد کو ہنرمندی سے تعبیر کرتا ہے۔

ہمیشہ باغ میں پتھر چلاتا ہے وہ باغوں پر
ادھر وہ شہر میں آئنوں کی دوکان کرتا ہے

سماج میں بڑھتی پھیلتی غریب کاری پر کف افسوس ملنے کے علاوہ پرویز کو تازہ دم کرنے کے لئے جہان جمالیات کی سیر کو بھی نکل جاتے ہیں۔وہ محبوب کے حسن حیات افروز کا نظارہ چاندنی کے روپ میں بھی کر لیتے ہیں چاندکی چاندنی گلشن گلشن کھلتے ہوئے پھول اور مہکتی ہوئی کلیاں بھی ان کے محبوب پر دل وجان سے نثار ہیں۔

اسی واسطے دن بھر چمن میں پھول کھلتے ہیں
اسی پر چاند اپنی چاندنی قربان کرتا ہے

ہرچند کہ زوال زدہ معاشرے میں نیکی اور سچائی کو بدی کی چتا پر جلنا پڑ رہا ہے اور ہر طرف جھوٹ کا بول بالا ہے اس پر بھی کچھ سرفروش صدائے اناالحق بلند کرنے سے نہیں چوکتے پرویز بھی ان میں سے ایک ہیں۔

کہو پرویز سے ہر بات کہنے کی نہیں ہوتی
یہ ناداں جو بھی کرتا ہے علی الاعلان کرتا ہے

الغرض پرویز مظفر نے نئی غزل کو عصری سچائیوں اور تلخ حقیقتوں سے ہم آہنگ کر کے غزل کی آبرو میں یقیناً اضافہ کیا ہے۔

***

آغا حشرؔ کاشمیری صاحب

''آغا حشرؔ کاشمیری صاحب'' کا یکم اپریل 1879ء کو جنم ہوا۔آغا نے عربی اور فارسی کی ابتدائی تعلیم حاصل کی اور قرآن مجید کے سولہ پارے بھی حفظ کیے۔اس کے بعد ایک مشنری اسکول جے نارائن میں داخل کرائے گئے۔مگر نصابی کتابوں میں دلچسپی نہیں تھی اس لیے تعلیم نامکمل رہ گئی۔بچپن سے ہی ڈرامہ اور شاعری سے دلچسپی تھی۔سترہ سال کی عمر سے ہی شاعری شروع کر دی اور 18 سال کی عمر میں آفتابِ محبت کے نام سے ڈرامہ لکھا جسے اس وقت کے مشہور ڈرامہ نگاروں میں مہدی احسن لکھنوی کو دکھایا تو انہوں نے طنز کرتے ہوئے کہا کہ ڈرامہ نگاری بچوں کا کھیل نہیں ہے۔منشی احسن لکھنوی کی اس بات کو آغا حشر کاشمیری نے بطور چیلنج قبول کیا اور اپنی تخلیقی قوت،اور ریاضت سے اس طنز کا ایسا مثبت جواب دیا کہ آغا حشر کے بغیر اردو ڈرامہ کی تاریخ مکمل ہی نہیں ہو سکتی،انہیں جو شہرت،مقبولیت، عزت اور عظمت حاصل ہے،وہ ان کے بہت سے پیش رؤوں اور معاصرین کو نصیب نہیں ہے۔مختلف تھیٹر کمپنیوں سے آغا حشر کاشمیری کی وابستگی رہی،اور ہر کمپنی نے ان کی صلاحیت اور لیاقت کا لوہا مانا۔الفریڈ تھیٹریکل کمپنی کیلئے آغا حشر کو ڈرامے لکھنے کا موقع ملا،اس کمپنی کے لیے آغا حشر نے جو ڈرامے لکھے،وہ بہت مقبول ہوئے۔اخبارات نے بھی بڑی ستائش کی۔آغا حشر کی تنخواہوں میں اضافے بھی ہوتے رہے۔آغا حشر کاشمیری نے اردو،ہندی اور بنگلہ زبان میں ڈرامے لکھے جس میں کچھ طبع زاد ہیں اور کچھ وہی ہیں جن کے پلاٹ مغربی ڈراموں سے ماخوذ ہیں۔آغا حشر کاشمیری نے شکسپیر کے جن ڈراموں کو اردو کا قالب عطا کیا ہے،ان میں شہید ناز، صید ہوس،سفید خون،خواب ہستی بہت اہم ہیں۔*آغا حشر کاشمیری* نے رامائن اور مہابھارت کے دیومالائی قصوں پر مبنی ڈرامے بھی تحریر کیے ہیں،جو اس وقت میں بہت مقبول ہوئے۔آپ کی وفات لاہور میں ہوئی۔

طارق نعیمؔ صاحب

منفرد لب ولہجہ کے لیے مشہور اور معروف شاعر''طارق نعیمؔ صاحب'' کی پیدائش اپریل ۱۹۷۵ء کو چاہ کوڑے والا،موضع پیرتنوں،ملتان میں ہوا۔میٹرک گورنمنٹ ہائی اسکول،مخدوم عالی،ملتان سے کیا۔انٹر سے بی اے تک ایس ای کالج بہاول پور سے کیا۔ایم اے(اردو ادب) پنجاب یونیورسٹی،لاہور سے پاس کیا۔اس وقت نیشنل بک فاؤنڈیشن،اسلام آباد میں پبلک ریلیشنز افسر ہیں اور بک فاؤنڈیشن کے جریدے''کتاب'' کے معاون ایڈیٹر ہیں۔ان کا شعری مجموعہ''دیئے میں جلتی رات'' کے عنوان سے شائع ہو گیا ہے۔دوسرا شعری مجموعہ''رُکی ہوئی شاموں کی راہ داریاں''۲۰۰۶ء میں شائع ہوا ہے۔

(پیمانۂ غزل(جلد دوم)،محمد شمس الحق،صفحہ:419)

SARMAD GLOBAL
CHARTERED ACCOUNTANTS

QUALIFIED CHARTERED ACCOUNTANTS
WITH BIG 4 EXPERIENCE

FREE TELEPHONE / EMAIL & WHATSAPP SUPPORT

- ✓ Company incorporation / Registered Office Address
- ✓ Personal Income Tax Return investigations,
- ✓ Rental Income Tax Returns
- ✓ UK State Pension Entitlement Review
- ✓ Advice on filling Gaps in UK State Pension
- ✓ UK State Pension / (Contracted Out) Tracing
- ✓ Private UK Pension Tracing.
- ✓ Assets Review for Inheritance Tax
- ✓ Appealing-Past years HRMC Penalties
- ✓ Preparation / Filing of Prior year tax returns
- ✓ Duplicate-Payslips/ P60s

ICAEW CHARTERED ACCOUNTANTS

SARMAD KHAN ACA, FCCA

OFFICE 115 LONDON ROAD MORDEN SURREY SM4 5HP UK
TEL +44(0)208 646 3666 FAX +44 (0)208 082 5002
E-MAIL: INFO@SARMADGLOBAL.COM
WEB. WWW.SARMADGLOBAL.COM
CELL +44 (0) 7903 416966

SAAMS FUNCTION HALL
Catering & Event Management

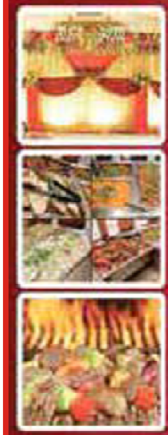

Services Available
- Catering Service
- Special Events
- Corporate Event
- Linen
- Crockery
- Cutlery
- Fresh Flowers
- Drinks
- Stages Decore
- Barbecue Hire

Enquire for a Booking

We Take reservations Everyday

Catering to your requirments
Cell:07883 815195

Under New Management
Newly Refurbished function Hall

TRANSLATIONS
ENGLISH - URDU

ATA TAHIR
DPSI ENGLISH LAW

IOLET DIPLOMA IN PUBLIC SERVICE
Interpreting Urdu-English Law

07818210181
atatahir@hotmail.com

HEATING LTD.

24/7 EMERGENCY SERVICE

Domestic & Commercial
Contact: 07722 222 965
www.247breakdownsolution.co.uk

SHARIF
JEWELLERS
SINCE 1952

Timeless Jewels, Priceless Memories

Diamond • Gold • Kundan • Bespoke • Bridal Jewellery
Jewellery Repairs • Bullion Dealer • Best Jewellery Appraisal

WEDDING | PARTY | EVERYDAY

/SharifJewellers

LONDON
28 London Road, Morden
United Kingdom, SM4 5BQ
+44 (20) 3609 4712
+44 (0) 7405 929 636

RABWAH
Aqsa Road, Rabwah
Pakistan, 35460
+92 (47) 6212515
+92 (0) 307 465 7777

RASHID & RASHID
Solicitors, Advocates
Immigration Specialists
Commissioners of Oaths

راشد احمد خان
وکیل (پرنسپل)

Benefit with very competitive rates, tailored advice & service to suit your specific needs, 24 hour response to all online enquiries and our many years of experience
www.rashidandrashid.co.uk

مناسب ریٹس میں آپ کی مخصوص ضروریات کے تحت موزوں مشورہ، 24 گھنٹے آن لائن سروس اور ہمارا سالوں کا تجربہ

- Asylum & Immigration
- New Point Based System
- Settlement Application (ILR)
- European Law
- Nationality & Travel Documents
- Human Rights Applications
- High / Court of Appeals
- Family Matters and Divorce
- Switching Visas
- Over Stayers
- Legacy Cases
- Work Permits
- Visa Extensions
- Judicial Reviews
- Tribunal Appeals
- Student appeals

- اسائلم/سیاسی پناہ اور امیگریشن
- سیٹلمنٹ درخواست (ILR)
- نیشنیلٹی اور سفری دستاویزات
- ہائی/کورٹ آف اپیل
- نیا پوائنٹ بیسڈ امیگریشن سسٹم
- یورپین قانون
- درخواست برائے انسانی حقوق/ہیومن رائٹس
- طلاق و دیگر خاندانی معاملات
- ویزا میں تبدیلی
- اوور سٹیئرز
- وراثتی معاملات/لیگیسی کیس
- ورک پرمٹ
- ویزا توسیع/ایکسٹینشن
- جوڈیشل ریویو
- ٹرائبیونل اپیل
- سٹوڈنٹس اپیل

FREE CONSULTATION & LEGAL ADVICE
24 Hours Emergency Numbers

مفت قانونی مشاورت
24 گھنٹے ایمرجنسی سروس

07878 33 5000 / 07774222062

RASHID & RASHID LAW FIRM
211, The Broadway, Southall, UB1 1NB.
Near McDonalds Southall.
Tel: 02085 401 666, Fax 02085 430 534
Email: law786@live.com

190 Merton High Street, Wimbledon
London SW191AX
Tel: 02085 401 666, Fax 02085 430 534
Email: law786@live.com

راشد اینڈ راشد لاء فرم
211، دا براڈوے، ساؤتھ ہال، UB1 1NB نزد میکڈونلڈز ساؤتھ ہال
فون: 02085 401 666، فیکس 02085 430 534
ای میل: law786@live.com

190 میرٹن ہائی سٹریٹ، ویمبلڈن
لندن SW19, 1AX
فون: 02085 401 666، فیکس 02085 430 534
ای میل: law786@live.com

SOW THE SEEDS OF LOVE